

اشاعت بشیخ صدرالہدیس شریف حضرت شیخ الاسلام عطائے خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
عارف باللہ امام محمد انوار اللہ فاروقی علیہ الرحمۃ والرضوان بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد

انوار الحق



تالیف

حضرت علامہ شیخ الاسلام عطائے خیر الانام عارف باللہ مولانا حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی
فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ

ناشر

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ ہند

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

(سورہ آل عمران-8)

اشاعت بضمن صد سالہ عرس شریف حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ
عطائے خیر الانام مولانا حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز بانی جامعہ نظامیہ

انوار الحق

تالیف

حضرت علامہ شیخ الاسلام عطائے خیر الانام عارف باللہ مولانا حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی
فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ

زیر اہتمام

ویفیر اسوسی ایشن گورنمنٹ قضاۃ قلعہ تھانہ گڑھی آباد رزنگاری
نواب صاحب کٹہہ، حیدر آباد ریاست تلنگانہ

ناشر

مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

حیدر آباد-الہند

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انوارالحق

نام کتاب :	انوارالحق
مصنف :	حضرت علامہ شیخ الاسلام عارف باللہ عطاء خیر الانام
	حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ قدس سرہ العزیز
صفحات :	۱۲۸
تعداد :	۱۰۰۰
طباعت :	بار چہارم
سن طباعت :	۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء
طباعت :	مطبعة ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد
قیمت :	80/- روپے
ناشر :	(مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ)

ملنے کے پتے: دفتر مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

حیدرآباد ۵۰۰۰۶۴ اے پی (الہند)

فون: 24503267, 24416847, 24576772 فیکس: 24503267

ویب سائٹ: www.jamianizamia.org

ای میل: fatwa@jamianizamia.org

۲۔ شیخ الاسلام لائبریری اینڈ ریسرچ فائڈیشن، عثمان باغ کمالی پورہ، حیدرآباد۔ 9701223435

۳۔ ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر۔ 040-64534568

۴۔ دکن ٹریڈرس عقب M.C.H آفس چارمینار۔ 040-24511777

۵۔ عرشی کتاب گھر۔ 9440068759

۶۔ کاظم سیریز۔ 9177396593

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

فہرست انوارالحق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
36	مرزا صاحب نے کل مسلمانوں کو مشرک قرار دیا	4	عرض حال
39	دجال اعور کے معنی	5	ابطال فرق باطلہ
44	علامات قیامت	6	امتیاز فسق و باطل
45	ابن صیاد کا ذکر اور وہ دجال نہ تھا	11	مرزا صاحب کی گالیاں
50	قسم کے اقسام	12	مسلم بن عقبہ نے مدینہ کی بے حرمتی کی
53	حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ در بارہ دجال	13	امر بالمعروف کے شرائط
70	دجال کے خوارق و عادات	15	اہل ہوا سے دور رہنے کا حکم
71	سب کام مشیت و تخلیق سے ہوتے ہیں	18	قصہ خوارج
73	مکاشفہ	21	ولی کو پہچاننا مشکل
80	آنحضرت علیہ السلام کے چند کشف	25	زمانہ کا تنزل بحسب حدیث
89	فتنہ و ہابیان	26	تاجروں سے دین کی تائید
92	مرزا صاحب کی تحریفیں	26	مرزا صاحب نے جو اپنی عیسویت کی جو تمہید کی غلط ہے
93	قصہ عزیر علیہ السلام	28	فضائل امت نبوی
105	مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت	29	خوف فتنہ دجال
106	قرآن مجید میں قادیان کا نام	30	عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بوجہ احترام امت
113	الہام کے اقسام	31	دجال کا مردہ کو زندہ کرنا
116	قادیان دمشق میں مشاہدات	32	پادری دجال ہو سکتے ہیں یا نہیں
		35	موضوعیت احادیث

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نصلى على رسوله الكريم

عرض حال

از: زین الفقہاء حضرت مولانا مفتی خلیل احمد، شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد
جب فتنہ قادیانیت اٹھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ امام محمد انوار اللہ فاروقی نور اللہ
مرقدہ جامعہ نظامیہ نے اس فتنہ کی پہلی کتاب ”ازالۃ الاوہام“ کے رد میں ایک مدلل کتاب
تصنیف فرمائی جس کے جواب میں قادیانیوں نے ”تائید الحق“ لکھی تھی۔ پھر شیخ الاسلام رحمہ
اللہ نے اس کا دندان شکن جواب ”انوار الحق“ کے ذریعہ دیا جو ملک و بیرون ملک میں اس فتنہ کا
سد باب کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئی۔ خاص طور پر قادیانی فرقہ کو خارج از اسلام قرار
دینے میں بنیادی حصہ ادا کیا۔

اس کتاب کو چوتھی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے۔ چونکہ بعض گوشوں سے پھر یہ فتنہ اٹھ رہا ہے،
اس فتنہ کے سد باب کیلئے اس کی شائع کرنے کی ضرورت شدید لاحق ہوئی۔
بضمن صدی تقاریب عرس بانی جامعہ نظامیہ قدس سرہ العزیز اس کتاب کو نائین قضاات
ویلفیر اسوسی ایشن، گورنمنٹ قضاات قلعہ محمد نگر، حیدرآباد و رنگارڈی، ریاست تلنگانہ نے شائع
کرنے کا بیڑا اٹھایا اور باجارت مجلس اشاعت العلوم منصہ شہود پر آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت
کو قبول فرمائے۔ اور تمام مسلمانوں کو فتنہ قادیانی سے محفوظ رکھے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیہ الرحمۃ
کی دیگر تصانیف افادۃ الافہام حصہ اول، دوم بھی قابل دید ہیں۔ اس میں کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔
ان کتابوں کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے از بس ضروری ہے۔ اسی طرح مقاصد الاسلام گیار حصے،
حقیقۃ الفقہ دو حصے، انوار احمدی، الکلام المرفوع وغیرہ کا مطالعہ ایمان میں تازگی کا باعث ہوگا۔ یہ
سب کتابیں مجلس اشاعت العلوم میں دستیاب ہیں۔ فقط

مفتی خلیل احمد

شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد الہند

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد و اله و اصحابه اجمعين۔ پیشتر ایک رسالہ مسمی بافادۃ الافہام لکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس میں ازالۃ الاوہام کے ان استدلالوں کا جواب دیا گیا جو مرزا صاحب نے آیات قرآنی سے کیا۔ اس کے بعد تائید الحق مصنفہ مولوی حسن علی صاحب لکچر اردیکھنے میں آئی جس میں انہوں نے ایک لمبی چوڑی تمہید کر کے مدبرانہ انداز سے مرزا صاحب کی تائید کی اس تقریر کا یہ اثر دیکھا گیا کہ ہمارے ہم مشرب بعض حضرات بھی اس کی تحسین کرنے لگے اور تعجب نہیں کہ اس نے بہتوں کو متزلزل کر دیا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بعض جادو بھری تقریریں ایسے ہی پر تاثیر ہوا کرتے ہیں کہ دلوں کو ہلا دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے ”وَ اِنَّ مِنْ الْبَيِّنَاتِ لِسِحْرٍ“ (صحیح البخاری، کتاب الطب، باب من البیان سحر، سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی المتشدد، باب ما جاء فی الشعر) مگر جب اہل انصاف طالبین حق کے روبرو اصلی واقعات اور ملمع سازیاں مقرروں کی بیان کی جاتی ہیں تو وہ فوراً اپنے خیال سے رجوع کر جاتے ہیں اور جو لوگ نفسانیت کی راہ سے سخن پروری میں پڑ جاتے ہیں وہ اُسی خیال پر اڑے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پُر اثر تقریروں کے زور سے مذاہب باطلہ بکثرت بنتے گئے اور عوام الناس کبھی ان کے دامن میں آ بھی گئے تو علماء کے سمجھانے سے پھر راہ راست پر آ گئے لیکن چند سخن پرور انہیں خیالات پر جمے رہتے تھے جن کے اتباع ان مذاہب کو زندہ رکھنے والے اب تک موجود ہیں اور ہر وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ان باطل مذاہب کو ترقی دیں۔ الحاصل جب کبھی نئے مذہب کی بنیاد پڑی تو علمائے حقانی نے اُس کے قلع و قمع کی فکر کی اور بفضلہ تعالیٰ اس کا اثر بھی ہوتا گیا کہ عموماً وہ مذاہب باطلہ کے لقب کے ساتھ مشہور رہے اور اہل انصاف و

حق پسند اُس سے محتر ز رہے۔ فی الواقع یہ علماء کا فرض منصبی ہے کہ بقدر وسع، حق کی تائید میں کمی نہ کریں ہر چند اس نوا ایجاد مذہب قادیانی کے رد کی طرف بعض علماء متوجہ ہیں مگر بحسب اقتضائے زمانہ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں باطل کا شیوع ہوگا کچھ تو عموماً طبائع ہی ایسے امور کی طرف مائل اور متوجہ ہیں اور کچھ نقائد علماء کے وجہ سے اس مذہب کی روز افزوں ترقی میں کمی نہیں ہوئی چونکہ ایسی بدعت تازہ کی شیوع کے وقت ہر شخص کو ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے روکنے کی فکر کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کے فتنوں کا شیوع لازمی ہے کیونکہ کچھ نہ ہو تو اتنا تو ضرور ہوگا کہ ”من کثر سواد قوم فهو منهم“ کا مصداق بنیں گے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تائید الحق کا بھی جواب لکھوں اور اُس کے ضمن میں ازالۃ الاوہام کے بعض مباحث پر بحسب ضرورت بحث کروں جس سے حقیقت اس نئے مذہب کی کھل جائے اور اہل انصاف و طالبین حق کے بکار آمد ہو۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

مولوی صاحب نے تمہید میں پہلا عنوان یہ قائم کیا کہ سچے خیر خواہوں کے ساتھ ہمیشہ کیسا سلوک ہوا اس میں بہت سی نظیریں پیش کیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تکفیر و تفسیق جو ہو رہی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے اس موقع میں ہم یہ بیان کرنا نہیں چاہتے کہ مرزا صاحب کیسے شخص ہیں اور ان القاب کے مستحق ہیں یا نہیں اس وقت ہمارا روئے سخن صرف اُس تمہید کی طرف ہے کہ آیا وہ مسکت حضرم ہے یا نہیں۔ کتب توارخ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اب تک کوئی زمانہ نہیں گذرا جس میں مفتری کذاب بے دین پیدا نہ ہوئے اور اُس زمانے کے عمائد دین اور علمائے حقانی نے ان کی تکفیر نہ کی ہو۔ جتنے مذاہب باطلہ آج کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں سب کے موجد زمانہ سابقہ ہی کے لوگ ہیں۔ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے لوگ اُس زمانے میں نہیں نکلے یا ان کی تکفیر نہیں ہوئی نہ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تفسیق بے موقع تھی۔ کیا وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کیلئے اپنی مظلومی بیان کر کے

اسی قسم کے استدلال نہ کرتے ہوں گے۔ پھر کیا اس قسم کے نظائرِ حقانیت پر دلیل ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی گئیں وہ ایک قسم کا عذاب الہی تھا جس کی طرف اشارہ اس آیت شریفہ میں ہے ”وَلَنَذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَذْنَىٰ ذُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ“ (سورہ سجدہ- 21) ”یعنی چکھائیں گے ہم ان کو چھوٹے عذاب سوائے بڑے عذابوں کے کہ شاید وہ رجوع کریں اور فرماتا ہے ”وَ أَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ“ (سورہ توبہ- 125) ”یعنی جن کے دل میں بیماری ہے سوان کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور مرے جب تک وہ کافر رہے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمانے میں آتے ہیں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے اور نصیحت نہیں قبول کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفاق وغیرہ سے توبہ کرنے کیلئے بھی عذاب کیا جاتا ہے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ الحاصل نظیریں دونوں قسم کی موجود ہیں بلکہ اس قسم کی نظیریں دس بیس ملیں تو اہل باطل کی تکفیر و تفسیق و تعذیب کی نظیریں ہزار ہا ملیں گی۔ غرض یہ نظائر مولوی صاحب کے مفید مدعا نہیں ہو سکتیں۔

مولوی صاحب جو لکھتے ہیں کہ یہ جہاں دارالامتحان ہے۔ اس عالم میں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتیں۔ فی الحقیقت عادت اللہ ایسی ہی جاری ہے کہ حق و باطل اس جہاں میں مشتبہ اور مُلتبس رہا کئے۔ سحر و استدراج کو ہمیشہ معجزہ اور کرامت کی ہمسری کا دعویٰ اور کلام الہی پر سحر و بیان کا دھوکہ لگا رہا اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات کو کبھی تعطل و بیکاری نہیں خواہ یہ عالم ہو خواہ دوسرا اس لئے کہ صفاتِ جلال و جمال ہمیشہ اپنے کاموں میں مصروف و مشغول ہیں۔ اگرچہ بظاہر افراد بنی نوع انسان سے ہدایت اور شیطاں سے ضلالت متعلق ہے مگر جب تک حق تعالیٰ نہ چاہے نہ ہدایت ہوتی ہے اور نہ ضلالت جس کو خدائے تعالیٰ ہدایت کرنا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔

قال تعالى ”وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ“ (مصنف ابن عبد الرزاق) ”انہیں صفات کا ظہور ہے کہ ہر زمانہ میں حق تعالیٰ کسی ایسے شخص کو پیدا کر دیتا ہے جس سے بہت سے ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ ہوتے ہیں۔ انبیاءؑ کو خاص ہدایت کیلئے مبعوث تھے مگر ان کے نہ ماننے والے گمراہ ہوئے اور بہت سے مفتری کذاب گو گمراہ کرنے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں مگر ان سے بھی صفت جمال اپنا کام لیتی ہے کہ ان کے نہ ماننے والے ہدایت پر سمجھے جاتے ہیں جس کو خدائے تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ حق بات کے ماننے کیلئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے اور جس کی گمراہی منظور ہوتی ہے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ ”فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ“ (سورہ النعام۔ 125) ”وسعت سینہ کی یہ دلیل ہے کہ ہدایت کی بات اُس میں سما جائے علیٰ ہذا القیاس تنگی سینہ کی یہ دلیل ہے کہ وہ بات اس کے سینہ میں گنجائش نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل باطل کا سینہ باطل کیلئے کشادہ اور اہل حق کا دل اس سے تنگ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسعت و تنگی دونوں کیلئے ہوا کرتی ہے اس وجہ سے کوئی شخص حق و باطل میں اپنے دل کے مشورہ سے تمیز نہیں کر سکتا بلکہ وہ جس بات کا قائل ہوتا ہے اس چیز کو حق سمجھنے لگتا ہے جس سے پوچھئے اس کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں اور اُس سے نہایت خوش رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ”كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ“ (سورہ مؤمنین۔ 53) ”اور صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ چاہتا بھی ہے کہ سارا جہاں اپنا ہم مشرب ہو جائے۔ اس کا تصفیہ باہم ممکن نہیں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر کیونکہ جس مسئلہ میں دو فریق ہو جائیں تو ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھے گا اور تیسرا حکم بنے تو کسی ایک فریق میں شریک ہو جائے گا یا وہ بھی ایک فریق بن جائے ہی کو حق پر سمجھنے لگے گا۔ غرض اس عالم میں اس کا تصفیہ ممکن نہیں کہ شرح صدر کس کا حق پر ہے اور کس کا باطل پر حق تعالیٰ ہی قیامت کے روز اس کا فیصلہ فرما دیگا۔ کما قال تعالیٰ ”إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (سورہ سجدہ۔ 25)“اب مولوی صاحب جو اپنا اطمینان اور شرح صدر مرزا صاحب کی حقانیت پر ظاہر فرماتے ہیں وہ کیونکر اس امر کی دلیل ہو سکے کہ مرزا صاحب سچ مچ عیسیٰ موعود ہیں ہمیں اس میں کلام نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مُرتاض ہوں گے مگر مشکل یہ ہے کہ جتنے مفتری دغا باز جعل ساز ہوتے ہیں جب تک وہ اچھے عادات، اچھے حالات اور مستند لوگوں کی صورتوں میں اپنے کو ظاہر نہیں کرتے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ قرامطہ کا حال آپ نے تواتر نہیں دیکھا ہوگا کہ ابتداء کیا تھی اور انتہاء کیسی ہوئی۔

تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آ کر ایک مدت تک اظہار تقدس میں مشغول رہا زہد و تقویٰ اور کثرت صلوٰۃ کی یہ صورت کہ تمام اقران و معاصرین میں ممتاز، اکل حلال کی یہ کیفیت کہ اپنے ہاتھ سے بوریا بن کر اس سے اوقات بسر کرتا کسی سے کچھ قبول نہ کرتا جب کوئی اس کے پاس جاتا تو سوائے وعظ و نصیحت کے کسی بات سے سروکار نہیں۔ غرض تقویٰ، طہارت، زہد، ریاضت میں اس کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ کسی زہد و عابد کو اس کے مقابلہ میں فروغ نہ رہا جب دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کا پورا اثر ہونے لگا تو مشہور مشہور مسائل نماز وغیرہ میں تصرف کر کے خلاف اجماع و مذاہب تعلیم شروع کی جب اس میں بھی کامیابی ہو گئی تو آہستہ آہستہ خیر خواہانہ یہ تمہیدی کی کہ طالبین حق کو ضروری ہے کہ کسی ایسے امام کے ہاتھ پر بیعت کریں جو اہل بیت نبوی سے ہو۔ غرض پوری طور پر اپنے مقصود کی تمہید ذہن نشین کر کے شام کو چلا گیا وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کر کے لوگوں کو امام برحق کا مشتاق بنا دیا چونکہ دعوت اس کی کسی معین شخص کے طرف نہ تھی اس لئے بعضوں کا خیال تھا کہ محمد بن اسماعیل امام وقت ہوں گے اور بعض کسی دوسرے کو خیال کرتے تھے۔ بہر حال سب کو یہی انتظار تھا کہ امام وقت اب ظاہر ہونا چاہتے ہیں کہ ایک شخص قرامطہ سے جن میں یہ شخص تھا ظاہر ہو کر مہدویت کا دعویٰ کیا۔ اس مہدی کا اصلی نام ذکر وہ یحییٰ تھا مگر اپنا نام محمد بن عبد اللہ بن اسماعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا حالانکہ اسماعیل ابن جعفر کا کوئی فرزند

عبداللہ نام کا نہ تھا۔ ضرورت اس مجلس سازی کی اس لئے ہوئی کہ احادیث میں امام مہدی کا نام محمد بن عبداللہ وارد ہے جو لوگ صرف امام کے منتظر تھے ان کو امام مہدی موعود کا مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی اُس کے نکلنے ہی کُل ہم مشرب اکٹھے ہو گئے اور یہ رائے قرار پائی کہ اصلاح قوم کی فکر کی جائے۔ چنانچہ بڑے بڑے گذرگاہوں پر فوجیں روانہ ہوئیں اور حرمین وغیرہ کے راستوں میں رہزنی شروع کر دی گئی اور تمام ملک حجاز و شام و مصر وغیرہ میں آتش فتنہ و فساد مشتعل ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص ابوطاہر نام مع فوج کثیر مکہ معظمہ پر مسلط ہوا کسی کو وہاں یہ طاقت نہ تھی کہ اس سیلاب بلا کو روک سکے۔ ابوطاہر گھوڑے کو دوڑا کر خاص حرم شریف کے اندر گھس آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آکھڑا ہوا اور اس غرض سے سیٹی دی کہ گھوڑا بول و براز کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر اس نے پکار کر کہا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا کا کلام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے کہ ”وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا“ (سورہ آل عمران - 97) ”یہ کہہ کر قتل عام کا حکم دیا۔ لکھتے ہیں کہ تخمیناً تیس ہزار مسلمان مکہ معظمہ میں شہید کئے گئے جس میں ستراسو (1700) خاص مطاف میں جام شہادت سے سیراب ہوئے اور کشتوں کے سر کاٹ کر صرف سروں سے چاہ زمزم بھر دیا گیا اور تمام نعشیں بغیر کفن نماز جنازے کے اندرون و بیرون شہر کے کوؤں اور گڑھوں میں ڈال دیئے گئے، حجر اسود اکھاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے بائیس سال تک کعبہ شریف حجر اسود سے خالی رہا، تمام مکانات لوٹ لئے گئے۔ غرض مکہ معظمہ میں اس مہدی کا یہ فتنہ ایسا ہوا کہ اس کی نظیر کسی تاریخ میں مل نہیں سکتی۔

الحاصل بدنام ہونا برے کہلانا سزائیں پانا حقانیت پر قرینہ نہیں ہو سکتا ورنہ مجلس ساز، دغا باز، بد معاش جن سے جیل خانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں سب کو اہل اللہ کہنا پڑے گا اور نہ اظہار تقدس اس کا قرینہ ہے جیسا کہ قرامطہ وغیرہ کے حال سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے جہاں اسلام کے موجودہ دشمن فرقوں کی فہرست لکھ کر ان کی روز افزوں ترقی اور اس کی وجہ سے مرزا صاحب کی ضرورت ثابت کی ہے، اُن میں مولوی اور مشائخوں کو بھی شریک کیا اور ان کو یہ خطاب عطا فرمائے۔

شیطان، حشرات الارض، زرپرست، نفس پرست، کم بخت، موزی، نایب شیطان، ناپاک، مجموعہ صفات ذمیہ، شریر، فتنہ پرواز، مسلمانوں کے گمراہ کرنے والے شیطان کے شاگرد رشید مکار وغیرہ۔ اس بات میں مولوی صاحب اپنے پیر کی سنت پر عمل کر رہے ہیں کیونکہ مرزا صاحب بھی علماء اور مشائخین کو ایسے خطابوں سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف میں یہ موجود ہیں۔ اے بد ذات فرقہ مولویاں تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا ہے وہی عوام کو بھی پلایا، علماء السوء، اندھیرے کے کیڑو، کتے گدھے، حمار، عقارب، عقبہ الکلب یعنی کتے کے بچے، خنزیر سے زیادہ پلید، ایمان و انصاف سے دور بھاگنے والے، احمق پلید، دجال، مفتری، اشرار، اذکُ الکافرین، اوباش، بے ایمان، بے حیاء، بد دیانت، فتنہ انگیز، تمام دنیا سے بدتر، جھوٹ کا گوکھایا، جاہل، جعل ساز، چمار، ڈومون کی طرح مسخرہ، دشمن قرآن، روسیہ سفلی سیاہ، دل سفہا شریر، مکار، شیخ نجدی، عدو العقل، غول الانوال، غدار سرشت، فرعون رنگ، کینہ ورمکینہ، مادرزاد اندھے، گندے مردار خوار، نا اہل، نمک حرام، نابکار، نالائق، نا اہل، ایمان سے دور بھاگنے والے، بولہب، فرعون، بد ذات، خبیث، زندیق علیہم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ وغیرہ وغیرہ جس کو صاحب عصائے موسیٰ نے مرزا صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ غرض کوئی گالی ان حضرات نے اٹھانہ رکھی اور عذر یہ کیا کہ کمال جوش اور حرارت اسلامی میں یہ سب گالیاں دی گئیں گویا اس جوش نے ان کو مرفوع القلم بنادیا ان گالیوں کے پہلے آپ نے یہ تمہید بھی کر دی ہے کہ مصلحان قوم اپنی قوم کو بعض وقت بہت سخت الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں لیکن ان سخت الفاظ کے اندر محبت و شفقت بھری رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مصلح قوم ہیں جس قدر گالیاں دیں اس کے مستحق ہیں چونکہ اصلاح قوم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور یہ سخت و سست کہنا اس کا ذریعہ ہے یا مادہ اس وجہ سے مولوی صاحب اور ان کے پیر اُس کو عبادت اور باعث تقرب الہی سمجھتے ہوں گے۔ اس موقع میں واقعہ حرۃ اور مسلم بن عقبہ کی کارگزاری یاد آتی ہے۔ تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اہل

مدینہ منورہ جب یزید کے مخالف ہو گئے تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ان کی تادیب و تعذیب کیلئے مامور کیا وہ مقام حرہ میں جو مدینہ کے پاس ہے، بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا اور بعد سوال و جواب کے قتل عام و غارت کا حکم دیا اور تین روز تک مدینہ منورہ کو لشکریوں پر مباح کر دیا۔ تاریخ الخلفاء اور جذب القلوب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہزار بارہ لڑکیوں کا بکر حرام سے زائل کیا گیا اور تمام شہر کے گھر لوٹے گئے جہاں کوئی ملتا مارا جاتا، صرف علماء سات سو شہید کئے گئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے گئے۔ خاص روضہ شریف گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے متلطخ رہا۔ یہ سب مسلم بن عقبہ کے حکم سے ہوا۔ اب اُس کی خوش اعتقادی سنئے جب اُس کی موت کا وقت آ پہنچا تو آخری دعائیہ ”اللہم انی لم اعمل قط بعد مشاہدۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبده و رسوله عملا احب الی من قتلی اهل المدينة ولا ارجی عندی فی الآخرة“ ذکرہ ابن اثیر فی تاریخہ الکامل۔ (الکامل فی التاریخ ذکر وفاتہ یزید بن معاویہ، ج ۲، ص ۱۹۳) یعنی یا اللہ بعد شہادت کلمہ طیبہ کے جو کچھ اعمال صالحہ میں نے اپنی عمر میں کئے ان سب سے زیادہ مجھے وہ عمل پسند ہے جو مدینہ کے لوگوں کو میں نے قتل کیا اور اسی عمل سے مجھے زیادہ تر توقع ہے کہ آخرت میں کام آئے گا۔

مسلم بن عقبہ کو صرف تادیب اہل مدینہ پر ناز تھا ہمارے مرزا صاحب کو اُس سے زیادہ ناز و فخر ہونا چاہئے کیونکہ وہ تمام اہل اسلام کی تادیب فرما رہے ہیں اور وہاں صرف جراحات سنان تھیں یہاں جراحات لسان ہیں جو التیام پذیر نہیں۔ جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ماجرح اللسان۔

پھر یہ گالیاں کن کو دیئے جارہے ہیں عوام الناس بازاریوں کو نہیں جن کی عادت میں گالیاں دینا اور سنان داخل ہے بلکہ ان افراد قوم کو جن کو قوم نے اپنا رہبر مربی اور حامی دین بنا رکھا ہے اور ہر ایک ان پر سوجان سے فدا ہے۔ معزز اور شریف لوگ قوم کے اس کا اندازہ

کر سکتے ہیں کہ یہ گالیاں سن کر قوم کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ سب کو جانے دیجئے خود مولوی صاحب اور ان کے پیر ہی غور کریں کہ کوئی ارذل یا ان کا ہمسرا ان کے والد بزرگوار یا پیر کی شان میں یہ الفاظ کہے تو ان کا کیا حال ہوگا اگر غیرت دار ہوں تو کیا اُس ذلت کے مقابلہ میں مرجانا آسان نہ ہوگا۔ عرف میں ایسا شخص بڑا ہی بے شرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کے باپ یا استاد یا پیر کو کوئی گالی دے اور وہ چپ رہے۔ نہایت افسوس اور شرمناک حالت ہے جس کے مرتکب مولوی صاحب اور مرزا صاحب ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ (سورہ انعام-108)“، یعنی بتوں کو گالیاں مت دو کہ وہ اللہ کو گالیاں دیں گے۔ ہادی برحق اور نبی صادق کو حق تعالیٰ تعلیم فرماتا ہے ”ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“، یعنی بلاؤ اپنے رب کی راہ پر حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور الزام دو ان کو جس طرح بہتر ہو۔ کیا مصلح قوم کی یہی شان ہے کہ اشتعالک طبع پیدا کرنے والے الفاظ سے طبعیتوں کو مشتعل کرے اور اس قابل بنائے کہ حق بات سننے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہے۔ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو جو مصلح قوم قرار دیا ہے وہ خود انہی کی تقریر سے باطل ہو گیا اور نہ شرعاً اس قابل ہے کہ مصلح قوم سمجھے جائیں نہ عرفاً پھر یہ جوشکایت ہو رہی ہے کہ مولویوں کی وجہ سے مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں سچ ہے جس قوم کے مصلح رذالت سے کام لیں اس کو ذلت نہ ہو تو کیا ہو۔ یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو میرے ایک دوست کا دیکھا ہوا ہے کہ تراویح کی جماعت کسی مسجد میں ہو رہی تھی جس میں وہ بھی شریک تھے۔ ان کے قریب ایک شخص نے عین نماز میں اپنے بازو والے سے کچھ بات کہی ایک شخص نے نماز ہی کی حالت میں اس سے کہا کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تیسرے نے کہا تمہاری نماز کب باقی رہی، چوتھے نے کہا الحمد للہ میں نے تو کوئی بات نہ کی۔ ایسا ہی مولوی صاحب جو اوروں پر الزام لگا رہے ہیں اس میں خود بھی مبتلا ہیں مگر سمجھتے نہیں علمائے ربانی وہ ہیں جو اپنے عیوب کی

تفتیش کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور حتی الوسع دوسرے کے عیوب پر نگاہ نہیں ڈالتے اور اگر امر بالمعروف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو ایسے ملامت اور دل نشین طریقہ سے کرتے ہیں جس کا اثر ظاہر ہو عموماً تعلیم الہی امر بالمعروف کے بارے میں یہی رہی ہے کہ نہایت نرمی اور سہولت سے کام لیا جائے باوجودیکہ اژدہائے خونخوار موسیٰ علیہ السلام کی مدد کیلئے ساتھ دیا گیا تھا مگر ارشاد یہی ہوا کہ فرعون کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کی جائے کما قال تعالیٰ ”فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّئِنَّا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ“ (سورہ طہ-44)“، یعنی کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ ”إِذْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقُهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ“ (سورہ فصلت-34) ترجمہ، جواب میں کہئے اُس سے بہتر پھر جو آپ دیکھو تو جس میں آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہوگا جیسے دوست دار ناتے والا! اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے انتہی۔ اسی وجہ سے ہر شخص امر بالمعروف کا اہل نہیں سمجھا جاتا کیونکہ امر بالمعروف میں عیوب پر مطلع کرنا ہوتا ہے اور قاعدہ کی بات یہ ہے کہ جس کا عیب ظاہر کریں وہ دشمن ہو جائے گا جس سے مخالفت اور جھگڑا پیدا ہونے کا سخت اندیشہ ہے جو ممنوع ہے کما قال تعالیٰ ”وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ“ (سورہ انفال-46)“ یعنی آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا حق تعالیٰ فرماتا ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ“، یعنی اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنے جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم راہ پر ہو۔ باوجود یہ کہ امر بالمعروف کی ضرورت دوسری آیات سے ثابت ہے مگر اس آیت شریفہ میں جو اس کی ممانعت ہے اس کی تطبیق کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عوام الناس اُس سے روکے گئے ہیں اور خواص کو اس کی اجازت ہے جن سے اصلاح کی امید ہے بعضے صحابہ نے اس آیت

شریفہ کا مضمون حضرت سے دریافت کیا تو فرمایا تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کئے جاؤ اس وقت تک کہ لوگ دنیا اختیار کر لیں اور خود رائی کرنے لگیں تو اس وقت صرف اپنی فکر کرو اور ان کو چھوڑ دو۔

بہر حال مولوی صاحب کا یہ امر بالمعروف کرنا اس زمانہ میں کسی طرح بجا اور بر محل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ امر بالمعروف بھی کس مسئلہ میں کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود ہیں جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ اور کسی علم سے حالانکہ امر بالمعروف کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس بات کا امر کیا جائے جو دین میں معروف ہو۔

اب غور فرمائے کہ اگر مولوی صاحب کو مدراس کے علماء نے وعظ سے روک دیا تو کیا برا کیا۔ خود خدا و رسول ان کو ایسے وعظ سے روک رہے ہیں۔ وعظ سے روکنے والوں کا استدلال اس حدیث سے ہوگا جو سنن دارمی میں مروی ہے ”عن أسماء بن عبید قال دخل رجلان علی ابن سیرین فقالا یا أبا بکر نحدثک بحديث قال لا قالوا فنقرأ عليك آية من كتاب الله قال لا لتقومان عني أو لأقومن قال فخرجا فقال بعض القوم یا أبا بکر وما كان عليك أن تقرأ عليك آية من كتاب الله تعالى قال إني خشيت أن يقرأ علي آية فيحرفانها فيقر ذلک فی قلبی (حدیث سنن دارمی، باب اجتنب اهل الاهواء والبدع، ج، ۱، ص ۱۴۴)“، یعنی اسماء بن عبید کہتے ہیں کہ دو شخص اصحاب ہو اسے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا انہوں نے کہ ہم آپ سے ایک حدیث کہتے ہیں فرمایا میں نہیں سنتا انہوں نے کہا کہ ایک آیت قرآن کی پڑھتے ہیں کہا میں نہیں سنتا یا تم یہاں سے اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر وہ آیت قرآن کی پڑھتے تو آپ کا کیا نقصان تھا فرمایا کہ مجھے خوف اس بات کا ہوا کہ وہ آیت پڑھیں اور کچھ الٹ پلٹ کر دیں جو میرے دل میں وہ جم جائے اور دوسری روایت اسی دارمی میں ہے ”عَنِ الْحَسَنِ وَ ابْنِ سِيرِينَ إِنَّهُمَا قَالَا لَا

تَجَالِسُوا أَصْحَابَ الْأَهْوَاءِ وَلَا تَجَادِلُوهُمْ وَلَا تَسْمَعُوا مِنْهُمْ وَهَكَذَا قَالَ
أَبُو قَلَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (حدیث سنن دارمی، باب اجتناب اہل الہواء والبدع، ج، ۱،
ص، ۴۴۵) ”یعنی حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اصحاب ہوا کے ساتھ نہ
بیٹھو نہ ان سے مناظرہ کرو اور نہ ان سے کوئی بات سنو۔ مرزا صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے وہ
بالکل نیا ہے تیرا سو برس کے عرصہ میں نہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا نہ یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مر گئے
اور جن کی آنے کی خبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اُن کا قائم مقام کوئی دوسرا شخص ہوگا اہل ہوا
ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں جو نئی باتیں اپنی خواہش کے مطابق دین میں تراش لیتے ہیں۔
صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جو نئی بات نکالی جائے وہ مردود ہے اُس سے احتراز و
اجتناب کیا جائے۔ اس وجہ سے صحابہ ایسے لوگوں سے جو نئی بات نکالتے نہایت احتراز کیا
کرتے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام
کہا ہے۔ فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے کوئی بات نئی نکالی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس کو سلام کا
جواب نہ پہنچانا کما فی الدارمی ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ جَاءَهُ رَجُلٌ
فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ قَالَ بَلَّغْنِي أَنَّهُ قَدْ أَحَدَتْ فَإِنْ كَانَ قَدْ
أَحَدَتْ فَلَا تَقْرَأُ عَلَيْهِ السَّلَامَ (حدیث سنن دارمی، باب اجتناب اہل الہواء والبدع، ج،
۱، ص، ۴۳۷)“ عارفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوں کہ
فرماتے تھے قریب ہے کہ فتنے اور نئی باتیں پیدا ہوں گی جو کوئی اس امت کی اجتماعی حالت
میں تفرقہ ڈالنا چاہے جو کوئی ہو اس کو تلوار سے مار ڈالو کما فی مسلم ”عَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ
أَرَادَ أَنْ يَفِرَّ قَامَرَهُ هَذِهِ الْأُمَّةُ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَأَنَّمَنْ كَانَ (صحیح
مسلم، کتاب الامارۃ، باب حکم من فرق امر المسلمین وجموع)“ غرض اس قسم کے اسباب سے
نئی باتوں کے کہنے سننے سے روک دینا علماء کا فرض منصبی ہے اگر انہوں نے ایسے وعظ سے

روک دیا تو یہ کوئی برہم ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے ان کو ممنون ہونا چاہئے ورنہ اگر یہ راستہ بالکل کھل جائے تو اس آخری زمانہ میں جو دین پر ہر طرف سے حملہ ہو رہے ہیں مخالفین دین کو موقع مل جائے گا اور ہر شخص نئی نئی باتیں ایجاد کر کے دین میں داخل کر دے گا جب تک مرزا صاحب ادیان باطلہ کے رد کے طرف متوجہ تھے سب ان کے مداح تھے بلکہ ان کو مجدد بھی سمجھتے ہوں تو تعجب نہیں اور اب بھی اس حد تک کوئی برا نہیں سمجھتا جس میں تائید دین ہو اگر یہ چند نئی باتیں چھوڑ دیں تو ابھی کل اہل حق ان کے رفیق و مددگار ہو جاتے ہیں اور یہ ناحق کا جھگڑا جس سے نہ دین کا فائدہ ہے نہ دنیا کا مٹ کر گناہوں کا مضمون، مَرُصُوصُ، کا مضمون صادق آجاتا ہے اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مرزا صاحب خود ازالۃ الاہام میں فرماتے ہیں ممکن ہے ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ بھی صادق آجائیں جب یہ خود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس مشکوک دعویٰ پر اصرار کر کے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی قائم کرنے سے کیا فائدہ۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ التَّوْفِیْقَ وَهُوَ بِالْاِجَابٰتِہٖ جَدِیْرٌ۔

مولوی صاحب اسلام اور مسلمانوں پر کمال دل سوزی ظاہر کر کے ایک مرثیہ رونے اور چلانے کیلئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا قحط ہو گیا ہے اور دین اسلام گردش میں اور کفر کا زور و شور ہے۔ اس مرثیہ میں اتنی کسر رہ گئی کہ چند بند مرزا صاحب کی عیسویت پر بھی بڑھا دیتے کہ ہائے عیسیٰ ابن مریم بھی اتر کے بیس برس ہو گئے مگر بجائے اس کے کہ ان سے دین کی ترقی ہوتی کفر ہی کو ترقی ہو گئی اور ہو رہی ہے۔ اگرچہ مقتضائے حسن ظن یہ ہے کہ یہ اظہار دل سوزی مولوی صاحب کی نیک نیتی پر حمل کی جاتی مگر مشکل یہ ہے کہ سرسید صاحب اور ان کے اتباع بھی اس سے زیادہ نوے اور واویلے لکھتے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نیک نیتی کے قائل مولوی صاحب بھی نہیں ہیں بلکہ ان کو دشمن اسلام قرار دیا ہے۔ اس امر کی تصدیق کیونکر ہو کہ وہ فی الواقع اصلی اسلام کے دوست اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصود تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر مسلمان ہیں تو چند

قادیانی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سب بے دین ہیں۔ چنانچہ صاف لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قُط ہو گیا ہے۔

اس طریقہ کی ایجاد ابتدائے اسلام ہی میں ہو چکی ہے چند لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ کمال درجہ کا زہد و تقویٰ پر ہیز گاری ایمان داری ظاہر کر کے کل صحابہ و تابعین کو بے دین قرار دیا اور ظاہری حالت ان کی دیکھ کر بہت سے ظاہر میں ان کے طرف مائل اور ان کے ہم خیال ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت بن گئی جن کے قلع و قمع کی طرف سلطنت کو متوجہ ہونا پڑا اور پھر بھی نہ ہوسکا ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ اگر مسلمان ہیں تو ہم ہیں باقی سب صحابہ و تابعین کافر ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔ ان لوگوں کے واقعات و حالات بہت ہیں مگر تھوڑا سا حال بقدر ضرورت یہاں لکھا جاتا ہے جس سے طرز رفتار معلوم ہو جائے۔ جو واقعات یہاں لکھے جاتے ہیں فضائل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مولفہ امام نسائی مستدرک حاکم کنز العمال اور تاریخ کامل وغیرہ متعدد معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں وہی ہذہ۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور طرفین سے ہزاروں اہل اسلام شہید ہوئے تو یہ رائے قرار پائی کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد علیہ حکم قرار دیئے جائیں وہ جو کچھ فیصلہ کریں نافذ ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا اور اشعث بن قیس اس کام پر مامور ہوئے کہ وہ عہد نامہ ہر قبیلہ میں جا کر سنا دیں جب وہ قبیلہ نبی تمیم میں جا کر عہد نامہ سنائے تو عروہ بن ادبیہ تمیمی نے کہا کہ عجیب بات ہے یہ لوگ آدمیوں کو حکم بناتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (سورہ انعام - 57)“ اور یہاں تک برہم ہوا کہ تلوار کھینچ کر اشعث پر حملہ کیا تو وہ بچ گئے مگر ان کا گھوڑا زخمی ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا بات تو سچی

ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ ہم سے مقابلہ کریں تو ہم اول ان سے
تقریر کر کے قاتل کریں گے اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالیں گے۔ زید بن عاصم محاربی جو اس مجلس
میں موجود تھا یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات
سے کہ اپنے دین میں دنائت اختیار کریں اور کم ہمتی کو عمل میں لائیں۔ اے علی کیا تم ہم کو قتل
سے ڈراتے ہو ہوشیار رہو واللہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا کی
راہ پر تم چلتے ہو یا ہم پھر وہ اور اس کے بھائی نے ایک جماعت فراہم کی جن میں عبداللہ بن
وہب را سبی بھی تھا اس نے خطبہ پڑھا کہ ہم کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں میں جانا ضروری ہے
تا کہ گمراہ کرنے والے بدعتوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے پھر دنیا کی بے ثباتی اور متقیوں
کے فضائل بیان کر کے سب کو شہر سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اس کے بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ
امیر کون قرار دیا جائے۔ بعد اختلاف کے یہ امر طے ہوا کہ عبداللہ بن وہب ہی اس کام کیلئے
منتخب کیا جائے۔ اس نے اول تو انکار کیا لیکن بعد رد و قدح کے یہ کہہ کر قبول کیا کہ مجھے مطلقاً
خواہش دنیوی نہیں نہ میں امارت چاہتا ہوں نہ مجھے اس سے کوئی خوف ہے اللہ کے واسطے یہ
خدمت قبول کرتا ہوں اگر اس میں مرجاؤں تو کوئی پروا نہیں پھر اس نے کہا کہ اب ایسا شہر
تجویز کرنا چاہئے کہ جس میں ہم سب جمع ہوں اور اللہ کا حکم جاری کریں کیونکہ اہل حق اب
تمہیں لوگ ہو چنانچہ نہروان تجویز ہوا اور یہ سب خوارج وہاں چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ نے ان کے نام خط لکھا کہ اب بھی چلے آؤ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم اپنے کفر پر
گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائے گا اب تو ہم نے تم کو دور کر دیا
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ زیاد بن امیہ نے عروہ بن ادیہ
خارجی سے پوچھا کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا کیا حال تھا کہا اچھے تھے پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا
حال دریافت کیا کہا ابتداء میں چھ سال تک ان کو میں بہت دوست رکھتا تھا جب انہوں نے
بدعتیں شروع کیں ان سے علحدہ ہو گیا اس لئے کہ وہ آخر عمر میں کافر ہو گئے تھے۔ پھر علی رضی

اللہ عنہ کا حال دریافت کیا کہا کہ وہ بھی اوائل میں اچھے تھے آخر میں کافر ہو گئے۔ بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا ان کو سخت گالی دی پھر زیاد بن امیہ نے اپنا حال پوچھا کہا تو اوائل میں اچھا تھا اور آخر میں گزندہ ہو گیا اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تو اپنے رب کا نافرمان رہا۔ زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا پھر اس کے غلام کو بلا کر پوچھا کہ اس شخص کا مختصر حال بیان کر کہا جب میں اس کے پاس کھانا لیجا تا یا اور کسی کام کیلئے جاتا تو اس کا یہی اعتقاد اور اجتہاد اور دل سوزی پاتا غرض ضرورت سے زیادہ دل سوزی بھی علت سے خالی نہیں۔ خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صرف دو باتوں سے بگڑے جن میں ظاہر اکمال دینداری معلوم ہوتی ہے ایک حکم کا مقرر کرنا جس کو انہوں نے شرک قرار دیا تھا اس وجہ سے کہ حکم خدائے تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا کما قال تعالیٰ ”ان الحكم لا لله“ دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے انہوں نے لڑا ہی کیوں اگر لڑنا ضروری تھا تو ان کا مال غنیمت کیوں نہ بنایا حالانکہ یہ دونوں امر قرآن سے ثابت ہیں ان کے زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب چھ ہزار خوارج ایک مقام میں جمع ہوئے تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر عمدہ لباس پہن کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ اے ابن عباس یہ لباس کیسا میں نے جواب تو دے دیا مگر ان کی حالت یہ دیکھی کہ عبادت اور ریاضت میں کسی قوم کو ان کا نظیر نہیں پایا نہ صحابہ کو نہ تابعین کو ان کے چہرے شب بیداری کی وجہ سے سوکھے سوکھے اور ہاتھ پاؤں نہایت دبے، جناب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کا پیچھا کیا ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے ان کی حالت دیکھی کہ ہر طرف سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہے سب لوگ تہ بند باندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجے کے زاہد و عابد نظر آئے یہ حالت ان کی دیکھتے ہی میرے دل پر سخت صدمہ ہوا اور میں گھوڑے سے اتر کر جناب باری کی طرف رجوع کیا اور نماز کی حالت میں یہ دعاء کرنے لگا کہ الہی اگر اس قوم کا قتل کرنا طاعت ہو تو مجھے

اجازت دے اور اگر معصیت ہو تو مجھے اس پر مطلع فرمادے میں اسی حالت میں تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے جندب خدا کے غضب سے پناہ مانگو اے جندب یاد رکھو کہ ہم میں سے دس شخص شہید نہ ہوں گے اور ان میں سے دس نہ بچیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طارق بن زیاد کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ قتل ہو چکے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ بات سچی کہیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گی اور دین سے وہ ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ رنگ ہوگا جس کا ایک ہاتھ ناقص ہوگا اور اس پر چند سیاہ بال ہوں گے ان میں اس کی تلاش کرو اگر وہ مل گیا تو سمجھو کہ تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ورنہ بہترین خلق کو تم نے مارا یہ سنتے ہی صحابہ کو فکر ہوئی اور بے اختیار رونے لگے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہوئے چنانچہ تمام لعشوں میں دھونڈ دھونڈ کر اس کو نکالا اس کے ملتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام صحابہ سجدہ شکر میں گرے۔ (الکامل فی التاریخ، ذکر خبر الخوارج، ج ۲، ص ۸۱)

خوارج کا یہی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نبی پیدا کرے گا اور اس پر ایک کتاب نازل ہوگی جو آسمانوں میں لکھی ہوئی ہے۔ غرض جیسے یہ لوگ اپنے چند ہم مشربوں کو مسلمان قرار دے کر دوسروں کو گمراہ ٹھہرائے تھے، مولوی صاحب بھی وہی کر رہے ہیں۔ ان واقعات سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ کمال دل سوزی اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر ظاہر کرنا دینداری اور حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی دوسرا کمال ریاضت و مجاہدہ و ترک دنیا حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ تیسرا مسلمانوں کو بے دین اور خود کو دیندار قرار دینا اہل باطل کا شعار ہے۔ چوتھا تمام مسلمانوں کے خلاف میں ایک نئی بات ایجاد کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا خدا و رسول کے پاس مذموم ہے۔

مولوی صاحب کو اپنی طبیعت خدا داد پر ناز ہے کہ ولی کو پہچان لیتے ہیں اس وجہ سے

مرزا صاحب کو پہچان لیا اس کی تصدیق میں ہمیں کلام ہے جب صحابہ کو خوارج کی ولایت اور ان کے بہترین خلق ہونے کا گمان ہوا اور فی الواقع وہ دھوکہ ثابت ہوا تو اب ان سے بڑھ کر ولی کو کون پہچان سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ولی کو حق تعالیٰ پوشیدہ رکھتا ہے اگر مولوی صاحب اس لحاظ سے کہ ولی راویلمی شناسد۔ اپنے کو ولی سمجھتے ہیں تو یہ دوسری بات ہے۔ صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ اپنے کو ولی سمجھیں خود اپنے ایمان کو مبہم رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر حدیث رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منافقوں میں تو شریک نہیں فرمایا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک وقت اپنی حالت قلبی دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھے کہ منافق حنظلہ یعنی حنظلہ منافق ہو گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ یہ روایت صحاح میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی ولایت تو کیا اپنی ولایت بھی ہر شخص کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ولایت افعال و اعمال کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نسبت ہے جو بندہ اور معبود کے بیچ میں ہوتی ہے جس کا حاصل تقرب الہی ہے۔ پھر جس کو تقرب الہی ہو تو ضروری نہیں کہ دوسرے کا تقرب بھی اس کو معلوم ہو اور جس کو تقرب ہی نہ ہو تو کسی کا تقرب اسے کیونکر معلوم ہو سکے۔ رہی یہ بات کہ اعمال صالحہ اور قرائن سے کسی کا تقرب معلوم کریں سو وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ بخاری شریف میں ہے ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلًا أَهْلُ الْجَنَّةِ فَيَمَّا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلًا أَهْلُ النَّارِ فَيَمَّا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ“ (حدیث بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یقول فلان شہید) یعنی دیکھنے میں بعضوں کے عمل جنتیوں کے ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بعضوں کے عمل دیکھنے میں دوزخیوں کے ہوتے ہیں اور وہ جنتی ہوتے ہیں مطلب یہ کہ ظاہری اعمال سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ابھی قرامطہ اور خوارج کا حال معلوم ہوا بلعم بن

باغورہ کا قصہ تفاسیر میں مصرح ہے کہ نہایت مقدس مستجاب الدعوات تھا اور بعض روایات سے تو اس کو نبوت بھی معلوم ہوتی ہے مگر انجام کار بے دین ہو کر مراجس کی مذمت قرآن کریم میں ہے ”إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ“ (سورہ اعراف-176) شعر

زاهد غرور داشت سلامت نبرد ارادہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت
ہر شخص جس کسی کا مرید ہوتا ہے اس کو ولی سمجھتا ہے پھر ان میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ پیرو مرید دونوں خسرو الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہیں۔ شعر
اے بسا ابلیس آدم روے ہست پس بھر دستے نباید داد دوست
صحابہ کا زمانہ دوسرے تمام زمانوں سے بہتر اور افضل ہونا اور اس کے بعد ابتری اور خرابی بڑھتی جانا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔

جب اس زمانہ کا یہ حال ہو کہ صحابہ جن پر حسن ظن کریں وہ خوارج نکلیں تو ہم آخری زمانے والے جن پر حسن ظن کریں خدا ہی جانے ان کی کیا حالت ہو۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے الجواہر المکملہ فی الاحادیث المسلسلہ میں بسند متصل عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر لیبید ابن ربیعہ کے یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔ ذہب الذین یعاش فی اکنا فہم۔ و بقیۃ فی خلف کجلد الاجرب۔ یتحدثون مخافۃ و ملامۃ۔ و یعاب قائلہم و ان لم یشعب۔ یعنی جاتے رہے وہ لوگ جن کے پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور رہ گئی میں ایسے ناخلف لوگوں میں جن کی حالت کھلی بھرے اونٹ کے چمڑے کی ہے۔ باتیں کرتے ہیں وہ لوگ خوف اور ملامت کی اور ان میں کہنے والا اگرچہ کج روی نہ کرے عیب لگایا جاتا ہے۔ عروہ اس حدیث کی روایت کرنے کے وقت کہا کرتے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا ہمارے زمانہ میں ہوتیں تو معلوم نہیں کیا کہتیں ہشام جو عروہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عروہ اگر ہمارے زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے اسی طرح امام سخاوی رحمہ اللہ تک۔ (الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، اللام

بعد الباء، ج ٣، ص ٢٥،

واصل الرواية هذا-وبالسند المذكور الى ابى بكر بن شاذان حدثنا ابوبكر احمد بن محمد بن اسماعيل الهيثى بكسر الهاء والفوقانية و بينهما تحتانية وهو ثقة ثنا يعيش بن الجهم. حدثى عن ابى حمزة هو انس بن عياض عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضى الله عنها انها كانت تتمثل بايات لبيد بن ربيعة.

ذهب الذين يعاش فى اكنافهم. و بقيت فى خلف كجلد الاجرب. يتحدثون مخافة وملامة و يعاب قائلهم و ان لم يشغب. قال عروة رحم الله عائشة كيف لو ادركت زماننا هذا و قال هشام رحم الله عروة كيف لو ادرك زماننا هذا و قال ابو حمزة رحم الله هشام كيف لو ادرك زماننا هذا و قال يعيش رحم الله ابا حمزة كيف لو ادرك زماننا هذا و قال الهيثى رحم الله يعيش كيف لو ادرك زماننا هذا و قال ابن شاذان رحم الله الهيثى كيف لو ادرك زماننا هذا و قال ابو الفتح رحم الله شاذان كيف لو ادرك زماننا هذا و قال المبارك رحم الله ابا الفتح كيف لو ادرك زماننا هذا و قال السلفى رحم الله المبارك كيف لو ادرك زماننا هذا و قال ابو الحسن رحم الله السلفى كيف لو ادرك زماننا هذا و قال الطبرى رحم الله ابا الحسن كيف لو ادرك زماننا هذا و قال كل من العفيف و القروى رحم الله الطبرى كيف لو ادرك زماننا هذا و قال لنا القرشى رحم الله القدوى كيف لو ادرك زماننا هذا و كذا قالت لنا مريم رحم الله العفيف كيف لو ادرك زماننا هذا و اقول رحم الله كلام من مشائخنا كيف لو ادرك زماننا هذا. انتهى - (اسد الغابة، لبيد بن ربيعة، ج ٢،

ص، ۴۷۷) زبیر بن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج بن یوسف کی شکایت کی فرمایا صبر کرو جو زمانہ تم پر آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا۔ یہ بات آپ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کافی البخاری ”عن الزبیر بن عدی قال اتینا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فشکونا الیہ ما نلقی من الحجاج فقال اصبر و افانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شرمہ حتی تلقوا ربکم سمعته من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم“ (صحیح البخاری، باب لا یأتی الزمان الا الذی بعدہ شرمہ۔ کتاب الفتن) اس حدیث سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جب حجاج کے زمانہ سے جس کو تخمیناً بارہ سو برس ہوتے ہیں بدتری اور خرابی روز افزوں ترقی پذیر ہے تو اس زمانہ کے فتنہ انگیز حجاج سے کس درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے۔ سچ ہے کہ اس کا فتنہ صرف جسم پر اثر کرتا تھا اور اس زمانہ کے فتنے ایمان پر اثر ڈالتے ہیں۔ اس فتنہ کا اثر اسی عالم تک محدود تھا ان فتنوں کا اثر عالم اخروی میں ظاہر ہونے والا ہے۔ اس فتنے کا اثر چند روز میں فنا ہو گیا ان فتنوں کا اثر جس پر ہوا، ابد الابد باقی رہا۔

ازیں انیون کہ ساقی درمی انگند حریفان رانہ سرماندہ دستار
حق تعالیٰ ہم کو اور ہمارے احباب اور جمیع اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے ایمان کی قدر کریں اور ہر کس و نا کس کے فریب میں آکر ایسے گوہر بے بہا کو کھونہ بیٹھیں۔
مولوی صاحب مرزا صاحب کی تائید اسلام اور تقدس سے متعلق جتنی باتیں بیان کرتے ہیں انکا انکار کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں مگر یہ حقانیت کا قرینہ قطعیہ نہیں ہو سکتا۔
کتب تاریخ سے ظاہر ہے کہ حجاج بن یوسف نے بخارا سے ملتان تک صد ہا شہر فتح کر کے سرحد اسلام میں داخل کر دیا جن میں کروڑ ہا اہل اسلام پیدا ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ اسی تائید کا اثر قیامت تک جاری رہیگا۔ باوجود اس کے دیکھ لیجئے کہ اسلام میں حجاج ظالم کی کیا وقعت ہے۔ یہ تو ہمارے دین کا خاصہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کی تائید بدکاروں سے بھی کرایا کرتا ہے

جیسا کہ صراحتاً اس حدیث شریف سے ظاہر ہے ”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ (حدیث صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر باب ان اللہ یدالدین بالرجل الفاجر)“ غرض مرزا صاحب کی تائید اسلام میں ہماری گفتگو نہیں کلام ہے تو صرف اس میں ہے کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود بننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی ہمیں کلام کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں نبوت تو کیا اگر کوئی خدائی کا بھی دعویٰ کرے تو کوئی نہیں پوچھتا مگر چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں وہ تصرف کر رہے ہیں اس لئے ہم پر حق ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کی حفاظت کریں اور اپنے ہم مشربوں کو ان کا اصلی مطلب معلوم کرادیں اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہم کو اپنا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے صفات اور حالات ایسے ہوں گے جیسے مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہود کی حالت تھی بلکہ یہ لفظ یعنی عیسیٰ ابن مریم اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے تاہر ایک کو خیال آجائے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے اُن مسلمانوں کو جن میں عیسیٰ ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا، یہود ٹھہرایا ہے جیسے یہودیوں کا نام خدائے تعالیٰ نے بندر اور سور رکھا اور فرمایا ”وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقُرْدَةَ وَالْخَنَازِيرَ“ (سورہ مائدہ-60)“ اسی طرح اپنا نام عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمایا ”وَجَعَلْنَاكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ“ انتہی۔ پھر دس بیس صفات مذمومہ مثل بغض و حسد اور تفرقہ وغیرہ جو اس زمانے کے بعض مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں وہ اس زمانہ کے یہود میں بیان کئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے وقت تھے۔ مقصود اس سے یہ کہ ان لوگوں میں یہ صفات ہونے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اب بھی وہی صفات اس وقت کے مسلمانوں میں آگئے ہیں اس لئے اب وہ یہود ہیں اور عیسیٰ کی ان کے لئے ضرورت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لکھل فرعون موسیٰ اس صورت

میں وہ عیسیٰ مراد نہیں جو نبی تھے بلکہ ان کا مثل اور شبیہ مراد ہے۔ صفات مذمومہ جو دونوں فرقوں میں مشترک بتائے گئے ہیں اس کا ثبوت کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب سے نہیں دیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا جن احادیث میں ذکر ہے ان میں نہ تو یہود کا نام ہے نہ ان کے ان صفات کا ذکر جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں آگئی تھیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب تک کسی قوم میں صفات مذمومہ نہیں پائی جاتیں اس قوم میں نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آیت شریف ”إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ“ (سورہ ہود۔ 88) سے ظاہر ہے اور وہ صفات مذمومہ اسی قسم کے ہوتے ہیں جو بیان کی گئی ہیں مگر اس میں قوم یہودی کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خصوصیت تھی تو چاہئے تھا کہ پہلے وہ خصوصیت قرآن و حدیث سے بیان کی جاتی۔ اس وقت لکل یہودی عیسیٰ صحیح ہوتا جیسے لکل فرعون موسیٰ صحیح ہے یہ تو اس واسطے صحیح ہے کہ فرعون کا سرکش ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا سرکوب ہونا ہر شخص جانتا ہے اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہود میں کونسی صفات تھیں جس کی اصلاح کیلئے عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اگر بالفرض وہ صفات معلوم بھی ہوتے تو دونوں طرف علم توصیفی کہے جاتے جیسے لکل فرعون موسیٰ میں ہے اگر زید شرارت کرے تو لوزید موسیٰ کہنا ہرگز محاورہ کے مطابق نہ ہوگا۔ یہی صورت یہاں بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر فرمایا کہ تم میں عیسیٰ آئیں گے۔ یہ کسی حدیث میں نہیں کہ تم یہود ہو جاؤ گے یا تم میں یہود کے صفات آجائیں گے اس لئے تم میں عیسیٰ آئے گا۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ آخری زمانے والے امم سابقہ کی پیروی کریں گے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ میری امت اگلی امتوں کے پورے پورے صفات اختیار نہ کرے گی۔ صحابہ نے عرض کیا وہ لوگ فارس اور روم کے جیسے ہو جائیں گے۔ فرمایا ان کے سوا اور کون (کنز العمال میں یہ حدیث بخاری سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے جلد ہفتم صفحہ 173۔)

اب اس تصریح کے بعد یہ کہنا ہے کہ یہ امت یہود ہو جائے گی اس لئے کوئی عیسیٰ آئے

کا خلاف احادیث ہے۔

کنز العمال میں صد ہا حدیثیں خروج و جال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور تغیر حال امت اور علامات قیامت کے باب میں وارد ہیں۔ کوئی حدیث ان میں ایسی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ امت میں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اس کی وجہ سے عیسیٰ پیدا ہوں گے۔ پھر جس طرح فساد امت کے باب میں احادیث وارد ہیں اس کی مدح میں بھی آیات و احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر (آل عمران-110)“، یعنی کل امتوں سے یہ امت بہتر ہے۔ اور احادیث میں وارد ہے کہ کبھی یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔ اہل باطل اس امت کے اہل حق پر غالب نہ ہوں گے۔ بلکہ آخر امت کی بھی خاص خاص فضیلتیں وارد ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کا پانی، نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھایا آخر۔

اور فرماتے ہیں کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور بیچ میں مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ (کنز العمال، کتاب الفضائل من قسم الافعال، باب الاکمال من الباب السابع فی فضائل ہذہ الامۃ المرحومۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت نے استفسار فرمایا کہ تمام اہل ایمان میں افضل کون لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ملائکہ ہوں گے، فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا شک ان کا مرتبہ تو ایسا ہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا انبیاء ہوں گے، فرمایا ان کے ایمان میں کیا شک ان کا بھی ایسا ہی مرتبہ ہے۔ عرض کیا شہداء ہوں گے جو انبیاء کے ساتھ حاضر رہے۔ فرمایا ان کو خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی مرتبہ دیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ رہیں۔ فرمایا ان کے سوا کہو سب نے عرض کیا

حضرت ہی فرمادیں۔ ارشاد ہوا وہ لوگ وہ ہیں جو اب تک موجود نہیں ہوئے وہ میرے بعد پیدا ہوں گے اور بغیر دیکھے کے مجھ پر ایمان لائیں گے اور صرف اوراق دیکھ کر اس پر عمل کریں گے۔ ایمان والوں میں یہ لوگ افضل ہیں۔ (مسند الزہری مسند ابی حمزہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ)۔ ان کے سوا اور کئی حدیثیں اس امت مرحومہ کی فضیلت پر دال ہیں۔ ان احادیث سے اس امر کی تائید بخوبی ہو سکتی ہے کہ اس امت کی عظمت اور رفعت شان کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام جو نبی اللہ تھے، وہی اس امت میں تشریف لائیں گے اس لئے کہ دجال کا فتنہ جو اس امت مرحومہ کے اخیر میں ہونے والا ہے، ایک ایسا پر آشوب فتنہ ہے کہ خدا ہی اس سے پناہ دے۔ تمامی انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے آئے۔ چنانچہ بخاری شریف میں یہ حدیث مروی ہے ”ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الناس فاتنی علی اللہ بما هو اہلہ ثم ذکر الدجال فقال انی لا نذر کموہ وما من نبی إلا انذر قومہ لقد انذر نوح قومہ و لکنی اقول لکم فیہ قولاً لم یقلہ نبی لقومہ تعلمون انه اعور و ان اللہ لیس باعور“ (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول الرجل للرجل احسأ) یعنی ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حمد کے بعد دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ میں اس سے تم کو ڈراتا ہوں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جو اپنی قوم کو اس سے ڈرایا نہیں یہاں تک کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا لیکن میں ایک ایسی بات تمہیں کہتا ہوں کہ کسی نبی نے نہیں کہی یاد رکھو کہ وہ کا نا ہے اور اللہ کا نا نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجود یہ کہ اس فتنہ کا وقت علم الہی میں معین تھا کہ قریب قیامت حضرت کی آخر امت میں ہوگا مگر شہرت اس کی نوح علیہ السلام ہی کے وقت سے دی گئی جس سے ہر فرد بشر پناہ مانگتا تھا اور انبیاء ڈراتے رہے۔ وہ فتنہ کس بلا کا ہوگا جس کی دھوم

عالم میں قبل از وقوع واقعہ اس قدر مچی ہوئی تھی حالانکہ دنیا میں صد ہا بلکہ ہزار ہا واقعات اور فتنے ہوئے مگر کسی زمانے میں ان سے پناہ مانگی نہ گئی یہ فتنہ معمولی نہیں بلکہ قیامت کا نمونہ ہوگا کہ نقشہ قیامت کا پیش نظر کر دے گا۔ جو فتنہ غیر معمولی اور فوق طاقت بشری ہو اس کے دفع کرنے کا اہتمام بھی غیر معمولی طور پر ہونا مقتضائے حکمت ہے جس سے اس فتنے کی وقعت اور بھی زیادہ ہو جائے یعنی اس اہتمام سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دفع کرنے کیلئے انبیائے اولو العزم سے خاص ایک نبی جلیل القدر مقرر ہو وہ کیسا فتنہ ہوگا۔ غرض جس طرح تمام انبیاء کا ڈرانا اہل ایمان کے دلوں کو متزلزل اور اللہ تعالیٰ کے طرف پناہ لینے پر مضطر کرتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کو خاص اس کے فرو کرنے کیلئے متعین کرنا اس اثر قلبی کو دو بالا کرتا ہے اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ کمال درجہ کی خصوصیت اس امت مرحومہ کی اور کمال درجہ کا فضل و احسان اس پر مبذول ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چند وہ فتنہ کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی خاص طور پر پہلے ہی سے کردی گئی تاکہ ہر مسلمان بصدق دل حق تعالیٰ کا شکر گزار اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سوجان سے نثار رہے کہ ان کی وجاہت اور رواداری کے طفیل سے کیسی کیسی بلائیں ہمارے سر سے حق تعالیٰ ٹال دیتا ہے اگر ایسی نعمت عظمیٰ کی قدر ہم نہ کریں تو بڑی کفران نعمت ہے۔ حاصل یہ کہ اس امت کی خرابیاں اس امر پر قرینہ نہیں کہ عیسیٰ فرضی ان خرابیوں کو دفع کرنے کیلئے آئے گا بلکہ اس امت کی جلالت شان اس امر پر قرینہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عیسیٰ علیہ السلام کو مامور فرمایا کہ اشد ضرورت کے وقت تشریف لا کر دشمن قوی کے ہاتھ سے اس کو بچادیں اور اس کے دشمن کو مقہور کر کے نئے سرے سے اس امت کا سکھ تمام عالم میں جمادیں اور خود بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا فخر جس کی ایک زمانہ دراز سے آرزو تھی حاصل کریں۔ ”ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم

مایرید۔“ حدیث مذکورہ بالا میں آپ نے دیکھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دجال کی وہ علامت تم سے کہتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ اس کا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا کیونکہ اس کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو ایک صفت مختصہ سے ممتاز کر دینا اس بات پر دلیل بین ہے کہ لوگوں کو اس کی شوکت اس کی قدرت ظاہری سے اس کی الوہیت کا گمان ہوگا اور کیوں نہ ہو جس کو حق تعالیٰ کی طرف سے اتنی قدرت حاصل ہو جائے کہ مردوں کو زندہ کرنے لگے تو ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی الوہیت کا شبہ ضروری ہوگا۔

اس کا مردوں کو زندہ کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے ”ان اباسعید الخدری رضی اللہ عنہ قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً حدیثاً طویلاً عن الدجال فکان فیما یحدثنا به انه قال یأتی الدجال وهو محرم علیہ ان یدخل نقاب المدینة فینزل بعض السباخ التی تلی المدینة فیخرج الیہ یومئذ رجل وهو خیر الناس او من خیار الناس فیقول اشهد انک الدجال الذی حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثہ فیقول الدجال ارایتم ان قتلتم هذا ثم احییتہ هل تشکون فی الامر فیقولون لا فیقتله ثم یحییہ فیقول واللہ ما کنت فیک اشد بصیرة منی الیوم فیرید الدجال ان یقتله فلا یسلط علیہ“ (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب لا یدخل الدجال المدینة) یعنی ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بہت سے احوال بیان فرمائے مجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر کسی زمین شور میں اس کے مقام کرے گا اس وقت ایک بزرگ اس کے پاس جا کر کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کروں تو

کیا جب بھی میرے کام میں یعنی خدائی میں تمہیں شک رہے گا۔ لوگ کہیں گے نہیں تب وہ ان کو قتل کر ڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔ وہ بزرگ زندہ ہوتے ہی کہیں گے کہ اب تو تیرے دجال ہونے کا مجھ کو اور بھی یقین ہو گیا۔ غرض اس قسم کی قدرتیں اس کو حاصل ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبردار فرمایا کہ کتنی ہی قدرت اس کو حاصل ہو مگر سمجھ رکھو کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کا نا ہے اور خدا کا نا نہیں ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دجال کسی ایک آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے گروہ یادایان مراد ہے۔ انہوں نے ان کو اس لئے اختیار کیا کہ اگر شخص معین مراد ہو تو ان کا دعویٰ عیسویت صحیح نہیں ہو سکتا کسی شخص کو دجال معین کر کے بتلانا پڑتا اگرچہ ممکن تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتادیتے اس لئے کہ وہ ان کے سخت مخالف ہیں مگر ان سب صفات کی تطبیق مشکل تھی۔ غرض مجبوری ایک گروہ کو دجال قرار دینے کی انہیں ضرورت ہوئی۔

یوں تو دجال کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مگر چونکہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو بہت مانتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاہام وغیرہ سے ظاہر ہوئے اس لئے بالفعل ہم انہیں دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جو ابھی لکھی گئیں، انہیں میں غور کیا جائے کہ آیا دجال ایک شخص معلوم ہوتا ہے یا ایک قوم ہے۔

ان حدیثوں میں لفظ دجال مفرد ہے اگر جماعت مقصود ہوتی تو لفظ دجالون آتا جیسا کہ دوسرے احادیث میں وارد ہے۔ ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امتی کذابون و دجالون“ (صحیح البخاری، باب علامات النبوة، کتاب المناقب، سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتی ینخرج کذابون) یہ دجال لوگ دجال موعود نہیں جس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔ صرف مشابہت کی وجہ سے وہ دجال ٹھہرائے گئے ہیں کیونکہ دجال موعود کی خصوصیات ان میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر دجال جن کی کثرت اس

حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے، مثل پادریوں کے غیر محدود نہیں بلکہ ان کی تعداد بعض روایات میں ستائیس اور بعض میں تیس تک وارد ہے اور ان دجالوں کی شناخت بھی حضرت نے فرمادی ہے کہ وہ سب یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں اور چونکہ اب تک سنا نہیں گیا کہ کسی پادری نے رسالت کا دعویٰ کیا ہو اس لئے کسی پادری پر لفظ دجال صادق نہیں آسکتا اور اگر دجال سے پوری قوم پادریاں مراد ہے جیسے مرزا صاحب ازالہ الاہام میں لکھتے ہیں کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں تو پہلے تو وہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ معنی لغوی بیان کئے گئے ہیں جب تک کسی کتاب لغت سے نہ بتائے جائیں قابل تسلیم نہیں اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لئے جائیں تو ہمیں یہاں لغوی معنی سے بحث نہیں ہمارا کلام اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو جو استعمال فرمایا اس کے معنی یہاں کل قوم پادری ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

حدیث مذکورہ بالا میں مصرح ہے کہ دجال مدینہ شریف کی کسی زمین شور میں اترے گا اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ وہاں اس کا جانا قبل نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوگا حالانکہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ کل گروہ پادریاں نہ اب تک وہاں پہنچنا آئندہ کیلئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ سب کے سب جمع ہو کر تمام ایشیاء اور یورپ کو خالی کر کے اس زمین پاک میں جائیں گے پھر مجموع گروہ پادریاں لفظ دجال سے کیونکر مراد ہو سکتی ہے۔

پھر ان بزرگوار کا جن کا ذکر حدیث موصوف میں ہے لاکھوں آدمیوں کے مقابلہ میں جا کر یہ کہنا کہ اشہد انک الدجال کیونکر صحیح ہوگا اس وقت یوں کہنا چاہئے اشہد انکم الدجالون یا انکم الدجال۔ اسی طرح اس کا ساتھیوں سے پوچھنا کہ اگر میں اس کو مار کر زندہ کروں تو جب بھی تمہیں شک باقی رہے گا کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا اس جملے کو لاکھوں پادری ہم زبان ہو کر ادا کریں گے اور سب مل کر ہاتھوں ہاتھ ان کو مار ڈالیں گے پھر سب مل کر زندہ

کریں گے۔ اسی طرح اس بزرگ کا مخاطبہ (ماکنت اشد بصیر تافیک) صیغہ واحد کے ساتھ وغیرہ ان قرآن سے ہر شخص کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس ارشاد کے وقت ایک ہی شخص تھا یہ بات دوسری ہے کہ قرآن خارجیہ کے لحاظ سے کسی ضعیف الایمان کی عقل اس کو تمیز نہیں کرتی ہو جس کی پابندی مرزا صاحب کر رہے ہیں۔ ہمارا کلام صرف اسی نقلی امر میں ہے جو حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان دار کو ضروری ہے۔

الحاصل ان حدیثوں پر غور کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ گروہ پادریوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال قرار دیا۔ ان کے سوائے حدیثیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ دجال پادریوں کا نام نہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے چند حدیثوں کا مضمون یہاں لکھا جاتا ہے۔

- (1) دجال کے ماں باپ کو تیس سال تک اولاد نہ ہوگی۔
- (2) دجال کا باپ دراز قدم گوشت ہوگا اور اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں کے پستان دراز ہوں گی۔
- (3) دجال یہودی ہوگا۔ مرزا صاحب نصاری کے پادریوں کو دجال کہتے ہیں۔
- (4) دجال کا حلیہ یہ ہے کہ وہ جوان ہوگا اور اس کی تشبیہ ایک شخص کے ساتھ دی گئی جو حضرت کے زمانے میں موجود تھا اور صحابہ اس کو پہچانتے تھے۔
- (5) اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان کا فر لکھا ہوگا۔
- (6) اس کو اولاد نہیں ہوگی۔
- (7) جب وہ سوئے گا تو اس کی آنکھیں بند رہیں گی اور دل بیدار۔
- (8) وہ اصفہان کے بعض دیہات سے نکلے گا۔

(9) وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ سیاحت کرے گا۔

(10) نہراون پر دجال کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ مسلمان غربی جانب ہوں گے اور وہ شرقی جانب میں۔

(11) عیسیٰ علیہ السلام اترتے ہی اس کو اور اس کے لشکر کو ہزیمت دیں گے اور اس کو قتل کریں گے اس وقت ہر چیز یہاں تک کہ دیواریں اور جھاڑوں کی ٹہنیاں مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کافر یہاں چھپا ہوا ہے اس کو مار لو۔

(12) دجال کے زمانہ میں مسلمانوں کی غذا تسبیح و تقدیس ہوگی جس سے ان کی بھوک جاتی رہے گی۔

(13) دجال جبل احد پر چڑھ کر مدینہ شریف کو دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ سفید محل احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مسجد ہے۔ پھر مدینہ میں جانا چاہے گا مگر جانہ سکے گا اس وقت مدینہ میں تین زلزلے ہوں گے جن سے منافق اور فاسق نکل پڑیں گے۔

ان کے سوا اور بہت سے حالات اور خصوصیات دجال کے احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند علامات کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاہام میں ذکر کر کے بعض کو تو رد ہی کر دیا اور بعضوں میں تاویلیں کیں۔

اگرچہ محدثین بھی بعض احادیث کو موضوع اور بعض کو ضعیف ٹھہرایا کرتے ہیں لیکن ان کے پاس یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب تک کسی حدیث کے راویوں میں کوئی جھوٹا حدیثیں دل سے تراشنے والا ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت کو ساقط الاعتبار نہیں کر سکتے پھر اگر ایسا شخص کسی حدیث کے راویوں میں پایا جانے کی وجہ سے حدیث کو موضوع یا ضعیف ٹھہراتے ہیں تو جب بھی یہ کھٹکا ان کو لگا رہتا ہے کہ شاید وہ حدیث موضوع نہ ہو اس لئے کہ آخر جھوٹا کبھی سچ بھی کہتا ہے اس وجہ سے وہ تلاش کرتے ہیں کہ وہ روایت کسی اور طریقہ سے آئی ہے یا نہیں۔

غرض وہ کمال احتیاط سے کام لیتے ہیں کیونکہ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقع میں فرمائی ہو اس کو لغو کر دینا یا نہ ماننا کمال درجہ کی بے ایمانی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ ترجمہ جو کچھ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اس کو لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اس تحقیق و تنقیح سے مقصود یہ کہ واقعی طور پر حضرت کا فرمانا ثابت ہو جائے اس کام کیلئے انہوں نے خاص ایک علم اصول حدیث مدون کیا ہے جس میں تحقیق و تنقیح کے قواعد مقرر ہیں اور ایک فن خاص راویان حدیث کی تحقیق کیلئے مدون کیا ہے جس کو فن رجال کہتے ہیں۔ اس میں راویان حدیث کی سوانح عمریاں لکھے جاتے ہیں۔ ہر محدث کا فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ جس محدث سے ملاقات ہو خواہ وہ استاد ہو یا ہم عصر اس کے حالات کی پوری پوری تحقیق کر کے اپنے شاگردوں اور ملاقاتیوں کو اس پر مطلع کر دیں تاکہ آئندہ آنے والوں کو اس کے پورے احوال معلوم رہیں جس سے اس کی روایتوں کے ضعف و قوت کا اندازہ کر سکیں۔ کسی حدیث کے خلاف عقل یا نقل ہونے سے اس حدیث کو وہ رد نہیں کر سکتے جب تک اس کا راوی مخدوش و مجروح ثابت نہ ہو کیونکہ جب نبی کا ارشاد سچے لوگوں کی روایت سے ثابت ہو جائے تو مومن کو اس کا ماننا ضروری ہے اس میں عقل کو دخل ہی کیا۔ جتنے لوگ کافر رہ گئے اکثر بلکہ کل کو عقل ہی نے تباہ کیا۔ مگر مرزا صاحب نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ جو حدیث ان کے مقصود کے مضریا مخالف ہو اس کو صاف باطل کہہ دیتے ہیں پھر اس پر بھی اکتفاء نہیں اس کے ماننے والوں کو مشرک اور بے دین بھی ٹھہراتے ہیں۔ دیکھ لیجئے جن احادیث میں دجال کے استدراج مثلاً زندہ کرنا پانی برسانا وغیرہ امور مذکور ہیں ذکر کر کے صاف لکھ رہے ہیں کہ یہ مشرکوں کے اعتقاد ہیں۔ اب غور کیجئے یہ سب احادیث حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کتابوں پر کس کو اعتقاد نہیں۔ تمام فقہاء انہیں کتابوں سے استدلال کرتے ہیں، تمام اولیاء اللہ انہیں

سے استفادہ کرتے ہیں، تمام اہل اسلام انہیں کتابوں کو اپنے دین کی کتابیں سمجھتے ہیں اگر بقول مرزا صاحب یہ اعتقادات شرک ہیں تو ان کتابوں کو شرک سے بھری ہوئی کہنا پڑے گا اور ان کے جمع کرنے والوں کو مشرک (معاذ اللہ)۔

ابھی معلوم ہوا کہ دجال کے زندہ کرنے کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے اور کنز العمال سے ظاہر ہے کہ تقریباً کل محدثین نے دجال کے اس قسم کے استدراج کی حدیثیں بکثرت روایت کی ہیں۔ اول درجہ میں ان حضرات پر الزام شرک کا عائد ہوتا ہے پھر ان کتابوں کے معتقدوں پر جن میں جمیع اہل سنت و جماعت شریک ہیں پھر یہ سلسلہ صرف محدثین ہی پر ختم نہیں ہو سکتا، ان حدیثوں کے کل رواۃ صحابہ تک اس الزام سے بچ نہیں سکتے اور بڑے غضب کی یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا وہ بھی عین خطبہ میں جو خاص احکام الہی پہنچانے کیلئے موضوع ہے کس قدر وحشت انگیز ہوگا۔

اس سے بڑھ کر سنئے ازالۃ الاوہام کے صفحہ 322 میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بالکل فاسد اور غلط اور مشرکانه خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ یہ مشرکانه خیال کس اعتقاد کے نسبت جو قرآن شریف سے ثابت ہے، قال تعالیٰ ”واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر یا ذنی فتنفخ فیہا فتکون طیرا یا ذنی“ یعنی عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونکتے تو حق تعالیٰ کے اذن سے وہ پرندے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں تقریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اہل ایمان خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بے باکی ہوگی۔ شعر۔

آن کس کہ زقرآن و خبر زونر ہی۔ آنست جوابش کہ جوابش ند ہی۔ ہم نے مانا کہ مرزا صاحب ان احادیث میں تاویل کر کے اپنی مرضی کے موافق بنا لیتے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ خود ازالۃ الاوہام صفحہ 540 میں تحریر فرماتے ہیں کہ النصوص یحمل علی

الظواهر مسلم ہے یعنی یہ بات مسلم ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی لئے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ وغیرہم نے ان احادیث کے معنی وہی سمجھے جو مثل روز روشن ظاہر و باہر ہیں اور اس پر قرینہ قطعیہ یہ ہے کہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تاویل کی طرف کبھی اشارہ فرمایا نہ صحابہ سے کوئی تاویل مروی ہے نہ کسی محدث و فقیہ نے تاویل کی بلکہ جہاں ان کا مضمون بیان کیا وہی بیان کیا جو ہر شخص سمجھتا ہے۔ بہر حال تاویل نہ کرنے والے شروع سے آخر تک بقول مرزا صاحب مشرک ٹھہرا رہے ہیں جن کی کوئی دوسری بات بھی قابل اعتبار نہیں رہ سکتی اس لئے کہ مستند اور معتبر تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو متدین ہو اور آدمی کو غیر متدین بنانے والی شرک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تمام جودت طبع صرف کر کے ایسے ایسے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ کسی کو اب تک نہ سوجھے۔ شرک کی وہ ڈائٹ بتائی کہ بھولے بھولے خوش اعتقاد لوگ گھبرا کر مرزا صاحب کا کلمہ پڑھنے لگے اور شدہ شدہ ایک گروہ بن گیا۔

ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اسی قسم کا شرک آیت شریفہ ”ان الحکم الا للہ“ سے ثابت کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمے لگایا گیا تھا۔ جس نے بہتوں کو راہ استقامت سے ہٹا کر زمرہ خوارج و اہل ہوا میں شریک کر دیا۔ جن کا سلسلہ آج تک ختم نہیں ہوا مگر اہل حق اس شرک مصنوعی کو عین ایمان سمجھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اتباع سے ایک قدم نہ ہٹے اب بھی اہل ایمان کو چاہئے کہ کمال استقلال سے اپنے قدیم عقیدہ پر ثابت قدم رہیں ورنہ وہی خوارج کا حال ہوگا۔

اس موقع میں بھی جب ہم سلف صالح پر نظر ڈالتے ہیں تو کل اہل سنت و جماعت بلکہ کل امت مرحومہ کا اتفاق اور صحابہ کا اجماع اس شرک مصنوعی پر مرزا صاحب کی مخالفت توحید کو مل خطر میں ڈال رہا ہے۔

ترسم کہ صرفہ نبردروز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام
اور آیت شریفہ ”ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ و نصلہ جہنم،
و ساءت مصیرا“ اس نئے ایمان کی طرف ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور بے اختیار یہ شعر
زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ ہرچہ گیر و علت علت شود۔ کفر گیر دکا ملے ملت شود۔
ابھی آپ سن چکے ہیں کہ جو لوگ اہل حق کے مخالف ہیں اگر وہ قرآن بھی پڑھ کر سنانا
چاہیں تو نہ سننا چاہئے اگر اتباع حق منظور ہو تو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ اور سلف صالح کو اپنا
مقتدی بنائے اور سیدھے ان کے پیچھے پیچھے ہی چلے جب تو امید قوی ہے کہ وہیں پہنچو گے
جہاں وہ حضرات پہنچ گئے ہیں اور اگر آپ نے ان کی راہ چھوڑ دی تو یاد رکھیے کہ ان سے تو
آپ نہیں مل سکتے اور سوائے پریشانی کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ان حضرات کا طریقہ چھوڑتے ہی
پہلے پہل بہتر (72) راہیں آپ کے پیش نظر ہو جائیں گی جن پر ایک ایک گروہ قرآن و
حدیث لئے ہوئے آپ کو اپنی طرف کھینچتا ہوگا۔ پھر مختلف دین و آئین والے دلائل عقلیہ کی
تلواریں کھینچ کر آپ پر ہجوم کریں گے جن سے دین و ایمان کا بچنا مشکل ہوگا۔ اگر آپ اپنے
ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو اس فقرہ پر عمل کیجئے جو کسی بڑے تجربہ کار کا قول ہے۔ یک
در گیر محکم گیر۔

کلام اس حدیث میں تھا جو بخاری میں ہے ”تعلمون انہ اعور و ان اللہ لیس
باعور“ سمجھ رکھو کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ مرزا صاحب اس کے یہ معنی بتاتے ہیں
کہ دجال سے مراد فرقہ پادریان ہے اور ان کا اعور ہونا یہ ہے کہ ان کو دین کی عقل نہیں صرف
ایک آنکھ ہے۔ یعنی عقل معاش ہے اگر اس کے یہی معنی قرار دیئے جائیں تو اس کا حاصل
مطلب یہ ہوگا (یاد رکھو کہ پادریوں کو دین کی عقل نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی)
اس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ خدائے تعالیٰ تو خالق عقل ہے، مسلمان تو کیا کافر بھی

یہ خیال نہیں کر سکتا کہ کسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی یا نہ ہوگی۔ پھر اس اہتمام اور تاکید سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ”ان اللہ لیس باعور“ کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا صحابہ سے کسی نے یہ خیال کیا ہوگا کہ دجال یعنی پادریوں کو تو دین کی عقل نہ ہوگی مگر خدائے تعالیٰ کو بھی ہوگی یا نہ ہوگی جس کے جواب میں حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ ضرور ہوگی۔ معاذ اللہ صحابہ کی یہ شان نہیں کہ ایسا خیال کریں۔ پھر اگر دجال سے مراد گروہ پادریان ہو تو وہ گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں ان کا ذکر ہے اور ان کو دین کی عقل نہ ہونا بھی ثابت ہے کہ باوجود یہ کہ معجزات اور آیات پینات پچشم خود دیکھتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس زمانہ کے پیچارے پادریوں نے تو ایک بھی معجزہ نہیں دیکھا۔ دراصل اگر اعور کے یہی معنی ہیں تو یہ لفظ انہی کے واسطہ زیبا ہے ان کے مقابلہ میں ان کو ازمذ (ارمذ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھ میں رو یعنی آشوب ہو) کہنا چاہئے اور اس دجال اعور کے قتل کے واسطہ نہ عیسیٰ کی ضرورت تھی نہ مثل عیسیٰ کی کیونکہ اس دجال کے وقت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دجال میرے وقت میں نکلے تو میں خود اس کا مقابلہ کر لوں گا، تمہاری ضرورت نہیں۔ ”كما قال عليه الصلوة والسلام ان يخرج وانا فيكم فانا حجيجه دونكم رواه احمد و مسلم والترمذی و ابن ماجة“ (صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی فتنة الدجال) ہاں دجال ارمذ کیلئے اگر مثل عیسیٰ کی ضرورت ہو تو وہ دوسری بات ہے مگر ہم نہ اس دجال ارمذ کو دجال موعود کہہ سکتے ہیں نہ اس قاتل کو عیسیٰ موعود یہ دجال و عیسیٰ دونوں مانحن فیہ سے خارج ہے ہمارا کلام نہ اس دجال میں ہے جس سے نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا اور حضرت نے اپنی

امت کو اس سے ڈرا کر اس کی علامتیں بتلا دیں وہ دجال مرزا صاحب والا دجال ہرگز نہیں ہو سکتا ورنہ ”ان الله ليس باعور“ فرمانا کسی طرح صادق نہیں آ سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی علامتیں جو بکثرت بیان فرمائیں جن میں سے چند اوپر مذکور ہوئیں اس سے مقصود حضرت کا صاف ظاہر ہے کہ صرف خیر خواہی امت ہے تاکہ علامتیں اپنے دشمن کی معلوم کر رکھیں اور موقع پر اس کو پہچان کر اس کے شر سے بچیں مگر مرزا صاحب کو یہ خیر خواہی منظور نہ ہوئی۔ بالفرض اگر مرزا صاحب کی چل جائے اور پادریوں ہی کو دجال سمجھ بیٹھیں اور دجال عموماً وقت مقررہ پر نکل آئے اور ضرور نکلے گا تو اس وقت یہ اس سے خالی الذہن رہیں گے اور جو مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی علامات بیان فرمانے سے تھا وہ تو خدا نخواستہ فوت ہو جائے گا۔ معلوم نہیں اس سے مرزا صاحب کا کیا فائدہ ہوگا اور حضرت کو کیا جواب دیں گے۔ ازالۃ الاوہام اور مناظرہ مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو اصح الکتاب سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور مردہ کو زندہ کر کے اس کی تصدیق بھی کر دکھائے گا تو اب مرزا صاحب کا پادریوں کو دجال قرار دینا بے موقع ہے اس لئے کہ بیچارے پادریوں میں تو سوائے معمولی باتوں کے ایک بھی بات ایسی پائی نہیں جاتی جس سے کوئی جاہل سے جاہل بھی ان کی خدائی کا خیال کرے ان سے بچانے کیلئے تو ایک ہی عام حکم کافی ہے، قولہ تعالیٰ ”یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولیاء بعضهم اولیاء بعض و من یتولہم منکم فانہ منہم“ یعنی جو کسی یہودی یا نصرانی کو دوست رکھے گا وہ بھی انہیں میں ہے اس وجہ سے پادریوں کو کوئی جاہل مسلمان بھی دوست نہیں رکھتا اور جودل سے دوستی رکھتا ہے وہ کربستان ہو ہی جاتا ہے۔ اس میں پادریوں کا کیا قصور جن پر طمع دنیوی غالب ہوتی ہے۔ ہمیشہ ان کے دین و ایمان کی یہی کیفیت رہی

ہے۔ دجال اور اصطلاحی مرزا صاحب خود طمع دنیوی اور پیٹ کے دھندے میں گرفتار تھا۔ چنانچہ اس کا انجیل میں تحریف کرنا اسی غرض سے تھا کہ کچھ پیسے بچائیں، قال تعالیٰ ”فویل للذین یکتبون الکتب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنًا قلیلًا“ اور دجال ارم بھی اسی آفت میں پھنسا ہوا ہے اس کو دعویٰ الوہیت سے کیا سروکار وہ بیچارہ تو سراہ پٹا کرتا ہے اور اپنی مظلومی کو باعث فخر سمجھتا ہے قتل کر کے زندہ کرنا تو درکنار گورنمنٹ کے خوف سے کسی کو قتل کی تہدید بھی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب ہندوستان کے پادریوں کے فتنے جس قدر بیان کرتے ہیں سب واقعی ہیں مگر ایسے فتنے تو ہمیشہ اس امت میں ہوتے ہی رہے ہیں۔ شروع سے دیکھئے کیا زید کا فتنہ کم تھا۔ اس کے بعد حجاج کا فتنہ جس سے صحابہ اور تابعین الحذر کرتے تھے علیٰ ہذا القیاس قرامطہ اور چنگیز خان و ہلاکو وغیرہ کے فتنے عرب، عجم اور افریقہ وغیرہ بلاد اسلام میں ہوتے ہی رہے ہیں۔ پادریوں کا فتنہ ہندوستان میں ان فتنوں کے پاسنگ میں نہیں انکا اثر تو انہیں لوگوں پر ہوتا ہے جو ضعیف الایمان اور طمع دنیوی میں گرفتار ہیں۔

پھر مرزا صاحب جو ہندوستان کے پادریوں کو دجال قرار دیتے ہیں ان کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ دجال کا فتنہ ہندوستان کے ساتھ خاص ہے اور ممکن نہیں کہ کسی حدیث سے یہ ثابت ہو سکے کہ دجال ہندوستان میں نکلے گا برخلاف اس کے احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ وہ اصفہان کے دیہات سے نکلے گا اور حرمین شریفین و شام میں پہنچے گا حالانکہ پادریوں کا ان دونوں جگہ گذر ہی نہیں ان تصریحات کے بعد ہندوستان والے پادریوں کو دجال سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب کو دجال کی تلاش کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ عیسویت اور مہدویت کا دعویٰ بغیر اس کے صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان تینوں کے ظہور کا زمانہ بہت ہی قریب قریب ہے۔ مرزا صاحب نے اس موقع میں کمال ذہانت سے

کام لے کر ان تینوں کا اتفاق پبلک کے سامنے پیش کر دیا کہ خود تو مہدی اور عیسیٰ ہیں اور پادری دجال۔ ان کے پہلے جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا ان میں کسی کو یہ نہ سوجھی انہوں نے صرف یہ خیال کر لیا تھا کہ دعویٰ مہدویت کے زمانہ میں نہ عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے نہ دجال کی کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نصاریٰ کے ساتھ پہلے جنگ کریں گے۔ اس کے بعد دجال نکلے گا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ دجال اور عیسیٰ کی خبر اگر پوچھی جائے گی تو کہہ دیا جائے گا کہ وہ بھی ابھی آتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اس سوال و جواب کی بھی ضرورت باقی نہ رکھی کیونکہ جب دجال، مہدی اور عیسیٰ اکٹھے ہو گئے تو اب کنسی حالت منتظرہ ہے جس کے پوچھنے کی ضرورت ہو۔ غرض سیدھے سادھے مسلمان ان لوگوں کے دعوؤں کو بھی قبول کرتے رہے اور لاکھوں کا مجمع ان کے ساتھ ہو گیا اب بھی وہی کیفیت ہے۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی بہت سی علامتیں ذکر فرما کر آخری علامتوں میں یہ فرما دیا تھا کہ مہدی نکلیں گے اور اسلام کی تائید میں نصاریٰ سے سخت جنگ کر کے فتح پائیں گے اور پھر دجال نکلے گا اور اُس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ چونکہ ہر مسلمان کا کامل اعتقاد ہے کہ حضرت کی جملہ پیش گوئیاں باطلاع وحی الہی تھیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ (سورہ نجم)۔ اس لئے جب وہ کوئی تغیر اور نئی بات دیکھتے فوراً قیامت ان کی پیش نظر ہو جاتی اس کا انتظار صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابن صیاد یہودی سے جب بعض خوارق عادات صادر ہونے لگے تو بعض صحابہ کو گمان ہو گیا تھا کہ کہیں یہی دجال نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا ارادہ مصمم کر لیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو روک دیا کہ اگر یہ وہی دجال موعود ہے تو اس کو تم قتل نہیں کر سکتے اس کا قتل عیسیٰ علیہ السلام

کے ہاتھ پر مقدر ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل بیجا ہے۔

یہاں یہ خلیجان ہوتا ہے کہ دجال کا واقعہ تو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں اس کو دجال کیوں سمجھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نہایت حزم و احتیاط تھی جس کا حال ان کی سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شجرہ بیعت رضوان باوجود یہ کہ تبرک مانا جاتا تھا اور لوگ دور دور سے اُس کی زیارت کو جاتے تھے مگر انہوں نے اس احتیاط کے لحاظ سے کہ کہیں پرستش شروع نہ ہو جائے اس کو کٹا ڈالا۔ غرض جب آپ نے دیکھا کہ ابن صیاد یہودی بھی ہے اور خوارق عادات بھی کچھ کچھ اس سے صادر ہو رہے ہیں اور دجال میں بھی یہی باتیں ہوں گی اپنے اقتضائے طبع کے مطابق حفظ ماقدم اور حزم کے لحاظ سے چاہا کہ ابتداء ہی میں اس شجرہ خبیثہ کی بیج کنی کر دی جائے۔ یہاں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینی طور پر کیوں نہیں فرمادیا کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ قیامت کا وقت مبہم رہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ بہت دور ہے تاکہ مسلمانوں کا ہر وقت خیال لگا رہے کہ شاید وہ ابھی قائم ہو جائے جس کی وجہ سے عمل خیر میں ساعی رہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۖ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ إِلَّا بَغْثَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ“ (سورہ اعراف) ترجمہ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کب ٹھہراؤ ہے کہئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دیگا اس کو اپنے وقت بھاری ہے وہ آسمان اور زمین میں وہ تم پر آئے گی تو یکایک آئے گی۔ ایسے پوچھنے لگتے ہیں گویا آپ اس کے تلاشی ہوں تو آپ کہئے کہ اس کا علم خاص اللہ کے پاس ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہے ”وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا“ (سورہ نبی اسرائیل) یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہے؟ آپ کہنے کہ شاید وہ قریب ہی ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر فرمایا کرتے کہ میں قیامت کے قریب مبعوث ہوا ہوں۔ غرض ان آیات و احادیث سے قیامت ہر وقت صحابہ کے پیش نظر رہتی تھی اور اپنی عادت کے مطابق قریب کے معنی سمجھتے تھے۔ یہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قریب کس مقدار کے زمانہ کا نام ہے وہاں تو ایک دن ہزار برس کا ہے، مکا قال تعالیٰ ”وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ“ (سورہ حج) یعنی ایک دن تمہارے رب کے پاس اُن ہزار سال کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ اس حساب سے تو آنحضرت کے زمانہ سے آج تک دیر تک دن بھی نہیں گزرا اگر اُس زمانہ میں کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو بھی دو ہزار سال تک کسی کو پوچھنے کا حق نہ تھا اور فرداے قیامت اُس پر برابر صادق آسکتا۔

غرض مصلحت الہی اسی کو مقتضی ہے کہ قیامت کا حال پوشیدہ رہے اور لوگ اُس کو قریب سمجھتے رہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مرضی شناس حق تعالیٰ کے تھے اس وجہ سے ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کی نہ آپ نے تصدیق کی نہ انکار فرمایا بلکہ ایک ایسا مجمل کلام فرمادیا کہ مقصود فوت نہ ہو، یعنی ارشاد ہوا کہ اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کو مار نہ سکو گے اور اگر نہیں ہے تو اس کا قتل بیجا ہے۔

اب ابن صیاد کا بھی تھوڑا حال سنئے کہ کیسا پہلو دار ہے۔ جامع ترمذی میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ دجال کے ماں باپ کو تیس برس تک بچہ نہ ہوگا اور اس کے بعد ایک لڑکا ہوگا۔ ایک چشمی جس کا ضرر زیادہ ہوگا اور نفع کم اس کے سونے کی یہ کیفیت ہوگی کہ آنکھوں میں تو نیند رہے گی اور دل ہوشیار اور باپ اس کا بہت بلند قدم گوشت اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں موٹی، دراز پستان

ہوگی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک لڑکے کی شہرت ہوئی کہ عجائب روزگار سے ہے۔ میں اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے دیکھا کہ ایک مرد اور اس کی عورت کا وہی حلیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کوئی لڑکا بھی ہے انہوں نے کہا کہ تیس برس کے بعد ہمیں ایک لڑکا پیدا ہوا جو ایک چشتی ہے۔ اس سے نقصان بہت ہے اور نفع کم، سوتا ہے تو آنکھیں بند رہتی ہیں اور دل ہوشیار۔ ہم ان کے پاس سے جب نکلے تو وہ دھوپ میں کچھ اوڑا ہوا پڑا گنگنارہا ہے۔ ہماری آہٹ سنکر پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ ہم نے کہا کہ کیا تو نے سنا؟ کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔ (سنن الترمذی، ابواب الفتن، باب ذکر ابن صیاد) مسلم شریف میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں میرا اور اس کا ساتھ ہوا اس نے بہت سی باتیں کہیں کہ صحابہ مجھے دجال سمجھتے ہیں حالانکہ دجال چنیں و چنناں ایسا ویسا ہے اور وہ باتیں مجھ میں نہیں ہیں۔ اس کی باتیں میرے دل میں اثر کر رہی تھیں کہ کسی نے پوچھا کہ اگر تو ہی دجال ہو تو تجھے اچھا معلوم ہوگا یا نہیں کہا اگر وہ خدمت پیش کی جائے تو میں اس کو مکروہ نہ سمجھوں گا اور پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم دجال کی پیدائش کی جگہ اور اس کا مقام میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اب وہ کہاں ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں سنکر مجھے پھر اشتباہ ہو گیا۔ انتہی ملخصاً۔ (صحیح مسلم، باب ذکر ابن صیاد، ابواب الفتن و اشراط الساعة)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد مدینہ شریف کے کسی راستہ میں مجھ سے ملا اتنا پھولا کہ راستہ بھر گیا۔ میں نے اس کو دُکڑ کر کہا کہ تیری کچھ قدر نہیں یہ کہتے ہی وہ سمٹ گیا اور میں راستہ پا کر چلا گیا۔ انتہی ملخصاً۔ (کنز العمال، حرف القاف، باب ابن صیاد)

اس کے سوا اس کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ کو اس کے دجال ہونے

کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر دس قسمیں کھانا بہتر سمجھتا ہوں۔ اس سے کہ اس کے دجال نہ ہونے پر ایک قسم کھالوں یعنی دس حصہ گمان ہے کہ وہی دجال ہوگا۔ (کنز العمال، حرف القاف، باب ابن صیاد)

پھر موت میں بھی اس کے اختلاف ہے۔ بعض روایات سے اس کا مرنا معلوم ہوتا ہے مگر سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں یزید کا لشکر مدینہ طیبہ پر آیا تھا ابن صیاد گم ہو گیا۔ الحاصل جب منظور الہی تھا کہ علی التبعین قیام قیامت کا زمانہ کسی کو معلوم نہ ہو اور اس کو دور بھی نہ سمجھیں جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے تو حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ حضرت ہی کے زمانہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہو کہ اس کے دجال ہونے کا گمان تمام مسلمانوں کو ہو جائے اور اس کے ظہور سے خائف و ترسان رہ کر اپنے ایمان کے استحکام کی فکر میں لگے رہیں اور خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں کہ الہی اس کے فتنے سے ہمیں بچائیو اسی وجہ سے ہمارے خیر خواہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم فرمادی کہ ہر نماز کے آخر میں یہ دعا کیا کریں۔ ”و اعوذ بک من شر فتنۃ المسیح الدجال“۔

آپ حضرات اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ اُس زمانہ میں نہ ابن صیاد کوئی ایسا شخص تھا کہ اس کی ذات سے کچھ خوف ہو نہ اس کے دجال سمجھنے سے یہ خیال کیا گیا کہ اس حالت موجودہ کے لحاظ سے وہ قابل خوف تھا۔ چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کو ایک لکڑی ایسی ماری کہ اس کے جسم پر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مسیح الدجال یہی ابن صیاد ہے جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے۔ البتہ خوف اُس کے اُس فتنہ کا تھا جو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جس کے انسداد کی غرض سے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فان یکن الذی تخاف لن تستطيع قتله“ (رواہ مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ذکر ابن

صیاد، کنز العمال، جلد ہفتم، ص ۲۰۲) یعنی اگر یہ وہی دجال ہے جس سے تمہیں خوف ہے تو تم اُس کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ عیسیٰ ابن مریم اُس کو قتل کریں گے۔ رواہ احمد بن حنبل۔

اصل واقعات ابن صیاد کے یہ تھے جو مذکور ہوئے۔ مرزا صاحب کو چونکہ عیسویت جمانے کی غرض سے دجال کی بہت تلاش تھی کمال پریشانی میں لفظ دجال ابن صیاد کے نسبت جو مل گیا بے خود ہو گئے کہ اب کیا ہے دجال کو مار لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دجال معبود حضرت ہی کے زمانہ میں مر گیا اب از خود رفتہ ہیں کبھی تو تمام اہل سنت و جماعت پر بلکہ تمام اہل اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کہ یہ سب مشرک ہیں کہ دجال موعود کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں۔ کبھی اکابر علمائے امت پر وار ہے کہ ان ملاؤں نے دجال کو ہوا بنا رکھا ہے کبھی اکابر محدثین پر طعن ہے کہ ان کی ایک کتاب بھی خواہ بخاری ہو یا مسلم قابل اعتبار نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دجال کے آخر زمانہ میں نکلنے کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں ہیں اور ابن صیاد کے دجال ہونے کی روایتیں بھی انہیں میں ہیں۔ اس لئے اذا تعارضتا تساقطا پر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا چاہئے اور دجال کے استدراج میں جو احادیث صحاح میں وارد ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں (سو چننا چاہئے کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہاء بھی ہے) جملہ اہل سنت و جماعت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری ہے اور خود مرزا صاحب بھی اپنے استدلال کے موقع میں یہ فقرہ پیش کیا کرتے ہیں اور بقیہ کتب صحاح کے نسبت اجماع ہے کہ ان میں کوئی حدیث موضوع نہیں مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں، سخت حیرت کا مقام ہے۔

ابن صیاد کو دجال سمجھنے اور قیامت کے قریب خروج دجال میں مرزا صاحب تعارض قرار دے کر کل حدیث کی کتابوں کو جو بے اعتبار بنا رہے ہیں، معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے۔ تعارض تو جب ہوتا کہ صحابہ اُس کی تصریح کر دیتے کہ دجال نکل چکا اور اب وہ قیامت تک نہ

نکلے گا حالانکہ یہ تصریح کسی کتاب میں نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ”فان یکن الذی تخاف لن تستطيع قتله انما صاحبه عیسیٰ ابن مریم“ (مسند امام احمد، مسند جابر بن عبد اللہ) اس سے ظاہر ہے کہ اُس کا خوف عمر رضی اللہ عنہ کو اُس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اُس کے اُس فتنہ کے لحاظ سے تھا جس کو بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے تھے ورنہ کس کو خبر تھی کہ دجال کس بلا کا نام ہے اس کا نام تو ابن صیاد مشہور تھا۔ پھر اس سے کوئی فتنہ بھی ایسا ظہور میں نہیں آیا جو دجال کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں (ابن صیاد کوئی کام بھی ایسا نہیں دکھایا جو دجال معبود کے نشانیوں میں سے سمجھا جائے) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دجال معبود سمجھتے تو صحابہ ضرور خطبہ کرتے کہ اس کا خروج تو قیامت کے قریب ہوگا، پہلے بیت المقدس فتح ہوگا اس کے ساتھ مدینہ منورہ کی ویرانی اُس کے بعد جنگ عظیم ہوگی اور امام مہدی نکلیں گے اور وہ شہر فتح ہوگا جس کا ایک جانب سمندر میں ہے اور ایک جانب خشکی میں اور سب غنیمت کی تقسیم میں مصروف ہوں گے کہ ایک بارگی ایک شخص دوڑتا ہوا آ کر پکار دیا کہ دجال نکلا اور ان سب علامتوں کے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری علامتیں بکثرت بیان فرمائی ہیں جن میں چند یہ ہیں کہ لوگ اونچے اونچے مکان بنائیں گے اور علم بالکل مفقود ہو جائے گا، زنا اور لواطت اور شراب خواری علانیہ اور کثرت سے ہوگی، زلزلے بہت ہوں گے، ترک و کرمان و عجم کے ساتھ جنگ ہوگی۔ تقریباً تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جو رسالت کا دعویٰ کریں گے۔ ان کے سوا اور بہت سی علامتیں ہیں جو خروج دجال سے پہلے ظہور میں آئیں گے۔ الغرض اس کو دجال کہنے سے مراد عمر رضی اللہ عنہ کی اگر یہ ہوتی کہ ظہور ابن صیاد کا خروج دجال موعود ہے تو دوسرے صحابہ صاف کہہ دیتے حضرت ہی کی زبان مبارک سے ہم نے دجال کا نام سنا ہے اور اُس کے خروج کا وقت حضرت ہی نے بیان فرمادیا ہے۔ کہ ان تمام امور کے ظہور کے بعد ہوگا پھر سب سے پہلے وہ

کیوں کر نکل آیا بلکہ حضرت خود فرمادیتے کہ میں اس کا وقت خروج ان علامات کے بعد بتلا رہا ہوں اور تم اس کو ابھی سے نکال رہے ہو۔ غرض اس سے ظاہر ہے کہ اس کو دجال کہنا مجازاً تھا۔ حقیقتاً نہ تھا جابر رضی اللہ عنہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے یہ بھی روایت کر رہے ہیں کہ دجال نکلنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ لوگ ان سے کہیں گے کہ اے روح اللہ امامت کیجئے وہ کہیں گے کہ تمہارا ہی امام نماز پڑھا دے۔ چنانچہ نماز کے بعد آگے بڑھ کر دجال کو قتل کریں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن صیاد کو آئندہ کے لحاظ سے دجال کہا گیا جس کے نکلنے کا وقت قریب قیامت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ دجال کے پہلے تیس جھوٹے نکلیں گے سب کے آخر میں دجال نکلے گا اور اس کا فتنہ سب سے بڑا ہوگا اگر وہ ابن صیاد کو دجال موعود سمجھتے تو ان حدیثوں کو روایت نہ کرتے ورنہ محل اعتراض تھا کہ اجتماع ضدیں کیسا اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ظن غالب تھا کہ یہی ابن صیاد خروج کریگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ (کنز العمال، جلد ۷، ص ۱۶۱۰ تا ۱۶۱۶)

اور نیز عبد اللہ بن عمر جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں شک نہیں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ دجال مدینہ منورہ کی زمین شور میں آئے گا اور آخر میں مارا جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اس حالت میں یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موعود ہی ہے اور فتنہ اس کا وقوع میں آچکا۔ (صحیح مسلم، باب ذکر الدجال، سنن الترمذی، باب ما جاء فی علامة الدجال، کنز العمال، جلد ۷، ص ۲۱۱۶)

اور نیز جابر رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم کھاتے ہیں۔ یہ روایت کرتے ہیں کہ دجال کی پیشانی پر کُف رکھا ہوگا، حالانکہ خود انہوں نے دیکھا تھا کہ ابن صیاد کی پیشانی پر کچھ بھی نہ تھا جیسا کہ ازالۃ الاہام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس میں اُن علامات کے ظہور کا وقت دوسرا ہے ورنہ بجائے اس کے کہ اُس کے دجال

ہونے پر وہ قسمیں کھائیں دجال نہ ہونے پر قسمیں کھاتے۔ (کنز العمال، جلد ۷، ص ۲۱۰۴)
ان روایات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے پاس ابن صیاد کے دجال ہونے کا یہ مطلب نہ
تھا کہ اس کا خروج موعود ہو چکا بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا فتنہ اور سب علامات اسی وقت ظہور
میں آئیں گے جب دوبارہ وقت معین پر نکلے گا۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد
کے دجال ہونے پر قسم کھانا اس بات پر دلیل نہیں کہ دجال مر گیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا سکوت اس امر پر دلیل ہو سکتا ہے کہ دجال کے فتنہ موعودہ میں شک تھا بلکہ اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ جس دجال کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے وہ یہی شخص ہے یا اور کوئی۔

مرزا صاحب جو تمام صحاح کو ساقط الاعتبار بنا رہے ہیں اُس کا منشاء صرف یہی ہے کہ
دو چار صحابیوں نے جو کہا تھا کہ ابن صیاد دجال ہے اس کو حقیقت پر محمول کر رہے ہیں اگر اس کو
مجاز پر محمول کرتے تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا۔ آخر عیسیٰ اور دجال کے معنی بھی تو وہ مجازی ہی
لے رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خود ہیں اور شخص دجال گروہ پادریاں۔

مرزا صاحب کا بڑا اعتراض یہ ہوگا کہ اگر وہ قیامت کے قریب دجال ہونے والا تھا تو
اُس وقت اُس کو دجال کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کل اہل عربیت جانتے ہیں کہ اس کو
مجاز باعتبار یُسُو وُلْ کہتے ہیں جو مجاز مرسل کی ایک قسم ہے، قرآن شریف میں اس کے نظائر
موجود ہیں اَعَصِرْ خَمْرًا ظاہر ہے کہ خمر نہیں نچڑا جاتا شیرے کو خمر باعتبار مایوول کہا گیا
وقال تعالیٰ ”إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ
نَارًا“ (سورہ نساء رکوع ۱) یعنی جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ لوگ آگ کھاتے ہیں
اموال کو حق تعالیٰ نے باعتبار مایوول آگ فرمایا وقال تعالیٰ ”حَتَّىٰ تَنْكَحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“
(سورہ بقرہ رکوع ۱۳) ظاہر ہے کہ نکاح زوج کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے وقت وہ اجنبی
ہوتا ہے جس پر زوج کا اطلاق ہوا۔ قافلہ سفر سے واپس آنے والے گروہ کو کہتے ہیں کیونکہ

قفل کے معنی سفر سے واپس آنے کے ہیں حالانکہ جانے والے گروہ کو بھی قافلہ کہتے ہیں۔ اور یہ تو ہمارے عرف میں بھی شائع ہے کہ حج کے جانے والے کو حاجی صاحب اور لڑکوں کو مولوی صاحب کہتے ہیں حالانکہ ہنوز وہ ان الفاظ کے معنی کے مستحق نہیں ہوتے۔

الحاصل ابن صیاد کو قبل دجال ہونے کے کہنا بھی اسی قسم کا ہے اب دیکھئے کہ ان احادیث میں تعارض کہاں رہا دونوں کا مطلب یہی ہوا کہ دجال موعود آخری زمانہ میں نکلے گا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حزم کرنے سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو چکا ہے اور اپنے ظہور موعود کے وقت تک زندہ رہے گا اور یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہزار سال کی عمر نوح علیہ السلام کی نص قطعی سے ثابت ہے پھر اگر اس سے زیادہ کسی کو خدائے تعالیٰ زندہ کہے تو کیا تعجب ہے۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قابل غور ہے۔ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے دجال ہونے کا علم کس قسم کا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ اس کا دجال ہونا نہ اولیات (یعنی وہ قضایا ہیں جن کے طرفین کو تصور کرتے ہی عقل ان کے صدق کا جزم کرے جیسے الواحد نصف الاثنین) سے ہے نہ فطریات (یعنی وہ قضایا ہیں جن کا جزم ایسے واسطہ کی طرف محتاج ہو جو ذہن سے غائب نہ ہو مثلاً الاربعۃ زوج اس میں واسطہ انقسام تساوی میں ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے) سے نہ مشاہدات (جیسے الشمس مشرقاً) اور نہ وجدانیات (جیسے لاجوع او عطش) سے نہ تجربات و وہمیات محسوسہ و حدیثات (یعنی نور القمر مستقادم نور الشمس) سے اور نہ متواترات سے اس لئے کہ اس وقت تک کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ دجال ہی رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہوگا سو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ خود حضرت نے ان کی تصدیق نہیں کی۔ بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کے دجال ہونے کا علم عمر رضی اللہ عنہ کو یقینی نہ تھا کیونکہ یقینیات کے کسی قسم میں وہ داخل نہیں ہو سکتا جو مذکور ہوئے۔ البتہ قرائین خارجیہ کے لحاظ سے اس کا ظن ہو گیا ہو تو ممکن ہے۔

مرزا صاحب کے اصول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے جلیل القدر صحابی ایسی بات پر قسم کھانا جس کا ثبوت نہ شرعاً ہو نہ عقلاً ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتا مگر چونکہ یہ روایت معتبر کتابوں میں ہے اس لئے ہمیں ضرورت ہے کہ حتی الوسع اس کی مناسب توجیہ کریں۔ بات یہ ہے کہ عرب کا دستور تھا اور اب تک ہے کہ محتملات و مظنونات پر بھی قسم کھالیا کرتے ہیں اس قسم کی قسم کو یمن لغو کہتے ہیں جس کے خلاف واقع ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے 'لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ' (سورہ بقرہ رکوع ۱۲) تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو صحابہ تیر اندازی کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا اَصْبْتُ وَاللّٰهِ یعنی بخدا نشانہ پر مار دیا اور وہ خلاف واقع تھا کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص حادث ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا یہ یمن لغو ہے اس میں کفارہ نہیں اور ابن عباس اور ابو ہریرہ اور ابراہیم بن ابی موسیٰ الاشعریٰ و ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف الزہری واللہ اعلم رضی اللہ عنہم یمن لغو کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آدمی جس چیز پر قسم کھاتا ہو اس کے سچ ہونے کا گمان کرے اگرچہ درحقیقت وہ سچ نہ ہو۔ انتہی ملخصاً۔ (تفسیر الدر المنثور، المائدة: ۲۲۵)

الحاصل جب یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ممکن نہیں کہ یقین پر مبنی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ وہ یمن لغو شمار کی جائے کیونکہ اس کی تعریف بھی اس یمن پر صادق آرہی ہے اور صحابہ کے اقوال سے ثابت ہوا کہ ایسی قسم خلاف واقع پر بھی ہوا کرتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا دجال ہونا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم ہی سے مشکوک ہو گیا۔

اب ہم ایک دلیل مستند پیش کرتے ہیں جس سے اس کا دجال نہ ہونا ثابت ہو جائے۔ وہ یہ روایت ہے جو صحیح مسلم حدیث تمیم داری درباب دجال میں ہے کہ ایک روز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں اعلان دیا کہ سب حاضر ہوں۔ اُس کے بعد حضرت نہایت خوش تبسم فرماتے ہوئے منبر پر تشریف رکھے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کس لئے جمع کیا اس وقت کوئی ترغیب و ترہیب مقصود نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تمہیں داری جو ایک نصرانی شخص تھے، اسلام لائے اور ایک واقعہ ایسا بیان کیا کہ میں نے جو تمہیں دجال کی خبر دی تھی اُس سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری کشتی شدت ہوا کی وجہ سے کسی کنارے پر جا لگی جب ہم اس جزیرے میں گئے تو ایک عجیب شخص سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے تو اس کو شیطان ہی سمجھا تھا مگر اس نے چند باتیں پوچھیں جس کا ہم نے جواب دیا۔ منجملہ اس کے ایک بات یہ تھی کہ بنی ایمن کی کیا حالت ہے۔ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکل کر یثرب میں ٹھہرے ہیں۔ کہا عرب نے ان سے جنگ کیا؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا پھر کیا ہوا؟ ہم نے کہا قریب قریب کے لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ پوچھا ایسا ہوا ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا ان کی اطاعت ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے۔ پھر کہا میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں۔ قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل جائے۔ میں تمام زمین میں پھروں گا مگر مکہ اور طیبہ میں نہ جاسکوں گا۔ حضرت نے فرمایا یہی طیبہ ہے، یعنی مدینہ۔ پھر حضرت نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پیشتر ہی میں تم سے یہ کہہ چکا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا درست ہے۔ فرمایا تمہیں داری کا یہ واقعہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا کہ جو میں نے تم سے کہا تھا اسی کے موافق ہے۔ پھر فرمایا یہ طیبہ ہے اور وہی دجال ہے۔ انتہی ملخصاً۔ (صحیح مسلم، باب قصۃ الجساسة)

اب دیکھئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں داری رضی اللہ عنہ کی خبر کی تصدیق کی اور عمر رضی اللہ عنہ کے تمہیں و گمان کی تصدیق نہیں کی تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابن صیاد دجال نہ تھا کیونکہ ایک روایت سے تو اس کا مرنا ہی ثابت ہے اور جو روایت اس

کے خلاف ہے اس سے اس کے مفقود ہونے کا زمانہ خلفائے راشدین کے بعد کا ہے۔ بہر حال کسی طرح ابن صیاد وہ دجال نہیں ہو سکتا جس کی خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ازالۃ الاوہام صفحہ 842 میں اس حدیث کا جواب مرزا صاحب اس طور سے دیتے ہیں کہ مسلم شریف میں تمیم داری کی حدیث کے آخر میں یہ ہے ”الا انه فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما هو واومی بیده الی المشرق“ یعنی من قبل المشرق ما هو کہا دجال بحر شام میں ہے یا بحر یمن میں نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا مثل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

مرزا صاحب نے عبارت مذکورہ حدیث میں کسی غرض سے اختصار کیا ہے، پوری عبارت یہ ہے ”لا بل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو واومی بیده الی المشرق“ مرزا صاحب نے (من قبل المشرق ما هو) کا ترجمہ یہ لکھا ہے (وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا نہیں وہ) اردو جاننے والے معتقد تو مرفوع اقلیم ہیں ان کے حق میں مرزا صاحب کا قول خود بجائے وحی ہے مگر عربی داں سمجھ سکتے ہیں کہ من قبل المشرق کے لفظ سے (وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا) سمجھنا درست ہے یا نہیں کیونکہ اس جزو جملہ میں کوئی ضمیر نہیں جو دجال کی طرف راجع ہو اور نہ لفظ یخرج کہیں مذکور ہے۔ شاید من کا متعلق یہ نکالا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ من زائدہ ہے جیسا کہ مغنی اللیب میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں مجملہ ان کے ایک یہ ہے ”اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الْمَصْرُورُونَ“۔

(ماہو) کے معنی (نہیں وہ) انہوں نے لکھا ہے اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ نہ نکلے گا بلکہ مثیل نکلے گا حالانکہ سیاق کلام سے یہ بالکل مخالف ہے اس لئے کہ مقصود یہاں دجال کا مقام معین کرنا ہے کہ وہ بحر شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اس کے بعد

(نہیں وہ) کہنے کا کوئی موقع نہیں۔

مرزا صاحب کی تقریر کا حاصل یہاں یہ ہوتا ہے کہ حضرت نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے دجال کا سارا قصہ سن کر سب صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ میں اس مضمون کا پڑھا کر میں نے دجال کا حال جو تم سے کہا تھا تمیم داری رضی اللہ عنہ کے چشم دید واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ دجال سے مل کر اور اس سے گفتگو کر کے آئے ہیں وہ مشرقی دریا میں ہے وہ نہیں۔ اب غور کیجئے اس قدر اہتمام کے بعد یہ فرمانا کہ وہ نہیں کس قدر حیرت انگیز ہوگا۔ پھر من قبل المشرق ماہو کو تین تین بار دہرا کر فرمانے کا کیا مطلب ہوگا۔ مرزا صاحب اس ما کو نافیہ لیتے ہیں اس صورت میں اس جملہ کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ مشرق کی طرف نہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے کہا تھا کہ وہ مشرق کی طرف ہے جس کا انکار حضرت بکرات و مرآت فرما رہے ہیں اور اگر حسب تجویز مرزا صاحب اس عبارت کے دو جملے قرار دیئے جائیں ایک من قبل المشرق یعنی دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا اور دوسرا ماہو یعنی وہ نہیں تو حضرت کا تین بار یہ فرمانا کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں کس قدر بے موقع ہوگا۔

اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ ان متضادہ مضمونوں کے دو جملوں کی تکرار فصاحت سے کیسی اجنبی ہوگی۔ پھر یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت کا مقصود اس سے یہ سمجھا جائے کہ دجال نہ نکلے گا بلکہ ہندوستان سے اس کا مثل نکلے گا تو صحابہ ضرور یہ پوچھ لیتے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ جس دجال کو دیکھ آئے ہیں اور وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہ نکلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ کیا اپنی ہی جگہ بیٹھا بیٹھا مر جائے گا اور کسی زمانہ میں نکلے گا اور کبھی نہ نکلے گا تو اس کے دجال ہونے سے ہمارا کیا نقصان یہ تو بڑی بشارت کی بات ہے کہ جس دجال سے آپ ڈراتے تھے اس سے تو بے فکری ہوگئی۔ غرض کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ

اس عبارت سے وہ مضمون سمجھا جاتا ہے جو مرزا صاحب لکھے ہیں۔

یہ سب خرابیاں ماہو کے ماکونافہ لینے سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ مرزا صاحب کو مثیل دجال ثابت کرنا ہے، اس لئے اس تحریف کی ضرورت ہوئی۔ امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے ”قال القاضی لفظة ما هو زائدة صلة للكلام ليست بنافية والمراد اثبات انه في جهات المشرق انتهي“ دراصل یہ مازائدہ غیر کافہ ہے جس کی مثالیں مغنی اللیب میں یہ لکھی ہیں ”شتان مازید و عمرو“ اور ”قول مہلہل“ ”لوما بانین جاء یخطبها“ ”زمل ما انف خاطب بدم“ ترجمہ: اس عورت کو پیام کرنے والا اگر دو پہاڑوں کے برابر سونا لادے تو اس کی ناک خون آلود کی جائے، بان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس صورت میں ”بل من قبل المشرق ماہو“ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ دریائے شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اور اس جملہ کو مکرر کرنے سے یہ غرض تھی کہ اس کو یاد رکھیں اور یقینی سمجھ لیں کہ دجال ایک شخص معین مشرق کی جانب میں اس وقت زندہ موجود ہے۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قدر اہتمام اور تاکید سے اس کے شخص معین اور زندہ ہونے کی خبر دیں اور مرزا صاحب اس کی کچھ پروانہ کر کے یہ کہیں کہ دجال کوئی چیز نہیں صرف پادریوں کا نام ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اسی مقام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمیم داری رضی اللہ عنہ کے دجال کا یقین کیا تھا بلکہ تصدیق اس بات کی پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوگا۔

آپ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ترجمہ ابھی پڑھ چکے ہیں جس میں یہ موجود

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے تمیم داری کا پورا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دجال سے ملے اور اس سے سوال و جواب کئے اور دجال نے ان سے کہا کہ میں مسیح دجال ہوں اور قریب میں مجھے نکلنے کی اجازت ملنے والی ہے۔ پھر حضرت نے اس کی تصدیق کی کہ وہی دجال تھا۔ چنانچہ لفظو ذلک الدجال صراحةً موجود ہے، باوجود اس کے مرزا صاحب کس دھڑائی سے کہتے ہیں کہ اس پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی حضرت کے زبان سے نہیں نکلے اس کا کیا علاج، اگر کسی کو ہمارے بیان میں شبہ ہو تو مسلم شریف میں دیکھ لے کہ وہ سب قصہ اور لفظو ذلک الدجال اس میں موجود ہے یا نہیں۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی موجود ہے کہ تمیم داری کا دیکھا ہوا واقعہ بیان کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”الا هل کنت حدثکم ذلک فقال الناس نعم فانه اعجبني حدیث تمیم انه وافق الذی کنت احدثکم عنه“ ما حصل اس کا یہ ہے کہ سب صحابہ سے حضرت نے پوچھا کہ کیوں دجال کی خبر میں نے تمہیں پیشتر دی تھی۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا کہ تمیم داری کا چشم دید واقعہ مجھے اچھا معلوم ہوا جس سے میری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو تم سے اکثر کہا کرتا تھا۔ اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے پیشتر بھی خبر دی تھی کہ دجال ایک شخص معین ہے اور کسی جزیرہ میں مقید ہے اور معین وقت پر نکلے گا جس کی تصدیق تمیم داری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہوئی اور چونکہ اس خبر کا ثبوت مشاہدہ سے ہو گیا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال درجہ کی فرحت ہوئی اور نہایت خوشی سے ہنستے ہوئے برسر مبر بیان فرمایا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور آخر میں لفظ اعجبني سے اس کی تصریح بھی کی۔ مگر افسوس ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی تھی مرزا صاحب پر سخت صدمہ ہے۔ غرض مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت نے تمیم داری

رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کی کس قدر حیرت انگیز ہے اور یہ جرأت قابل غور ہے کہ مسلم شریف جیسی مشہور و معروف کتاب میں ایسے تصرفات کرتے ہیں اور جو جی چاہتا ہے خلاف واقع لکھ دیتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اہل علم اس کو کیا سمجھیں گے تو اس پر قیاس کرنا چاہئے کہ الہامات اور خواب جو لکھا کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اخبار و حکایات بیان کردہ کی تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رو سے ہو بلکہ محض مخبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے۔ انبیاء لوازم بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے، محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے حضرت نے اس کی تصدیق کی کیونکہ تمیم داری (رضی اللہ عنہ) اس قصہ کے بیان کرنے کے وقت مسلمان ہو چکے تھے اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کے نظر سے دیکھا جائے۔ انتہی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق فرمانا اعتبار کے قابل نہیں بلکہ وہ عقلی طور پر ہونے کی وجہ سے اس میں غلطی ہوگئی اور ثبوت غلطی کا اس طور سے ہوا کہ مرزا صاحب کی جانچ میں سوائے پادریوں کے اور کوئی دجال نہیں اس دعوے اور دلیل کی تصدیق سوائے مرزا صاحب پر ایمان لانے والوں کے دوسرا کوئی مسلمان نہیں کر سکتا بلکہ اہل ایمان کے پاس ایسا خیال کفر سے کم نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہ تصدیق وحی کے رو سے نہ تھی۔ معلوم نہیں مرزا صاحب نے اس کا ایک طرفہ قطعی فیصلہ کس طرح کر ڈالا۔ ہم اہل اسلام کو تو حق تعالیٰ نے حکم قطعی کر دیا ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اس کو مان لیں کسی کو چوں و چرا کی مجال نہیں کہ حضرت نے یوں ہی عقل سے فرمادیا کوئی وحی بھی آئی تھی؟ اور وحی آئی تھی تو کس کے روبرو دو گواہ بھی اس وقت موجود تھے یا نہیں اور اگر موجود تھے تو انہوں نے جبرئیل کو وحی سناتے وقت

دیکھا اور پہچانا بھی تھا یا قرآن سے کہہ دیا؟ اور قرآن قطعی تھے یا ظنی؟ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وما آتاکم الرسول فخذوه“ اور فرماتا ہے ”وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحى“، یعنی کوئی بات حضرت اپنے خواہش سے نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں صرف وحی سے فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اعتبار ہے نہ خود حضرت کا اعتبار ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تصدیق جو حضرت نے کی تھی صرف تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اعتبار پر تھی۔ تہذیبی پیرایہ میں انہوں نے اس مقدمہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کہ اپنی رائے سے جھوٹی خبر کی تصدیق حضرت نے کر دی۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمیم مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے وہ اس لائق تھا کہ اس کا بیان عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ باوجود یہ کہ حضرت نے ان کو قابل اعتبار سمجھا مگر انہوں نے جھوٹ کہنے میں کمی نہ کی پھر جھوٹ بھی کیسا کہ افضل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روبرو جس کو حضرت نے منبر پر چڑھ کر ایک مجمع کثیر صحابہ کے روبرو کمال بشاشت سے بیان فرمایا۔

اب اہل ایمان غور کریں کہ کیا کوئی مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھوٹی خبر بیان کرنے کیلئے صحابہ کو فراہم کریں اور منبر پر چڑھ کر وہ خبر فرمادیں۔ پھر اتنے بڑے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت کو اطلاع نہ ہو کہ وہ خبر دراصل جھوٹی تھی اور اس کی غلطی نکالنے کا موقع ایک پنجابی کے ہاتھ آئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ امور کی اطلاع بذریعہ وحی یا الہام حضرت کو ہو جایا کرتی تھی ایسا بڑا واقعہ جس سے مرزا صاحب اور ان کے اتباع کی نظر میں حضرت نعوذ باللہ بے اعتبار ہو جاتے ہیں اس کی اطلاع حضرت کو کس طرح نہیں ہوئی کیونکہ اگر اطلاع ہوتی تو حضرت ضرور فرمادیتے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جو خبر دی تھی جھوٹ ثابت ہوئی۔ اس مقام میں سوائے اس کے اور کیا

کہا جائے کہ زمانہ کا مقتضی ہے کہ ایسے خیالات کے لوگ بھی مقتدی بنائے جاتے ہیں۔
اللهم انا نعوذ بك من فتنة المحيا و الممات و من شر فتنة المسيح
الذجال۔ اب اہل انصاف ملاحظہ فرمادیں کہ مرزا صاحب کا یہ قول کہ دجال معبود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہو گیا اور مر بھی گیا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ خود مرزا
صاحب ہی کا استدلال احادیث ابن صیاد سے ان کے دعوے کو مضور ہمارے لئے مفید ہے
اس وجہ سے کہ احادیث ابن صیاد سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ صحابہ دجال کو ایک معین شخص
سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق بھی کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نے
کسی قوم کا نام دجال نہیں رکھا جیسا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ دجال گروہ پادریاں کا نام
ہے بلکہ گویا حضرت نے یہ فرمادیا کہ وہ ایک شخص ہوگا جیسا کہ تم سمجھتے ہو اس لئے کہ جب
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن صیاد کو دجال قرار دے کر اس کو قتل کرنا چاہا تو جس صورت میں
دجال جھوٹوں کے گروہ کا نام ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو ان کی غلط فہمی کی اصلاح
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے اور یہ ارشاد ہوتا کہ دجال ایک شخص نہیں جس کو تم مارنا
چاہتے ہو وہ تو ایک جماعت ہوگی جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگی۔ کسی ادنیٰ شخص کے کلام کے معنی
اس کی مراد کے خلاف بیان کئے جائیں تو وہ اپنی مراد ظاہر کر کے اس غلط فہمی کی اصلاح کر دیتا
ہے۔ شارع کو بطریق اولیٰ ضروری ہے کہ اپنی مراد بیان کر کے غلط فہمی سے اپنی امت کو
بچالیں۔ شاید مرزا صاحب تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کریں گے کہ بخاری
شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص خواہ آدمی ہو یا جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد سو برس زندہ نہ رہا وہ حدیث یہ ہے ”ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما قال
صلی لنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم العشاء فی آخر حیاته فلما سلم
قام فقال أريتکم ليلتکم هذه فان رأس مأثمة سنة منها لا ينفي ممن هو علی

ظہر الارض احداً“ رواہ البخاری پھر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جس دجال کی خبر دی ہے وہ آخری زمانہ میں کیونکر نکل سکتا ہے۔

اس کے جواب کے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے قریب جو یہ ارشاد فرمایا ہے اس کا منشا کیا ہوگا یہ تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی وصیت ہے جس پر عمل کرنا مطلوب ہو نہ کوئی ایسی چیز ہے جو آفات الہی یا امور اخروی سے متعلق ہو کیونکہ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ سے صاف ظاہر ہے کہ دینی اعتقادات سے متعلق کل امور کو حضرت نے بیان کر کے دین کا تکملہ فرمادیا سو برس کے اندر تمام آدمیوں اور جانوروں کا مرجانا کوئی ایسی بات نہیں جس کو حضرت دینی امر تصور فرمائے ہوں۔ اور وہ علامات قیامت میں بھی نہیں ورنہ تصریح فرمادیتے جیسے دوسرے علامات میں موجود ہے۔ پھر ایک غیبی بات کی خبر دینا وہ بھی عشاء کے بعد جس وقت خاص خاص حضرات حاضر رہتے تھے اس میں کوئی خاص غرض ضرور تھی۔

قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اور سورہ اذا جاء نصر اللہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ اب اس عالم میں آپ کے تشریف فرما رہنے کی ضرورت نہ رہی اور ادھر سے جذبات اور ادھر سے عشق و اشتیاق بڑھنے لگے تو آپ نے سفر آخرت کا ارادہ مصمم فرمایا مگر اس کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ شیفگان جمال نبوی کا اس مفارقت سے کیا حال ہوگا کیونکہ ان کی وابستگی اور شیفگی کو حضرت جانتے تھے کہ یہ صدمہ ان کی حالت کو خطرناک بنادے گا ان کی زبان حال باواز بلند کہہ رہی تھی۔

از فراق تلخ میگوئی سخن ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن
صحابہ تو صحابہ ہی تھے استن حثانہ جو ایک چوب خشک تھا حضرت کی مفارقت سے
روتے روتے یخود ہو گیا تھا جس کا حال بخاری شریف میں موجود ہے۔ (صحیح البخاری،

کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر)۔ حضرت کی سواری مبارک کا گدھا جس کا نام یعفور تھا اس پر اس مفارقت کا یہ صدمہ ہوا کہ بجز دو فات شریف کے کمال بے تابی سے کنویں میں گر کر جان دے دیا اور ناقہ سواری خاص کو اس غم نے ایسا مدہوش بنا دیا کہ کھانا پینا چھوڑ کر اسی صدمہ سے مر گئی یہ روایتیں مواہب اللدنیہ وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر معجزاتہ فی ضروب الخیوانات)۔ اب اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب اونٹ اور گدھے اور چوب خشک کا مفارقت جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حال ہو تو ان حضرات کا کیا حال ہوگا جو پروانہ وارشع جمال پر جان دینے کو ہر وقت مستعد تھے انہیں ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ ایک بندہ کو خدائے تعالیٰ نے اختیار دیا کہ چاہے دنیا کی نعمت اور آسائش اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ کے پاس ہے، اس بندہ نے وہی اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے یہ سنتے ہی بعض صحابہ روتے روتے بے خود ہو گئے اور آواز بلند کہنے لگے ہم اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کرتے ہیں حالانکہ صراحتہً اس میں کوئی بات نہیں مگر صرف خیال نے یہ اثر پیدا کر دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الخوکتہ والممر فی المسجد)

ہر چند صحابہ جانتے تھے کہ اس مفارقت کا زمانہ چالیس پچاس برس سے زیادہ نہ ہوگا کیونکہ جب ارشاد سہرا پادشاہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ اکثر لوگوں کی عمر ستر سال سے کم ہی رہے گی مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ بعضوں کی عمر اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ پھر خدا جانے وہ کون ہوگا اور اس زیادتی کی نوبت کہاں تک پہنچے گی اگر بالفرض مثل امم سابقہ سینکڑوں کی نوبت پہنچ جائے جیسے قرآن کریم سے ہزار سال کی عمر بعض حضرات کی ثابت ہے تو اس مفارقت میں بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اور معلوم نہیں یہ فراق کیا رنگ لائے، اس خیال کے دفع کرنے کیلئے حضرت نے اس خاص وقت میں فرما دیا کہ آج کی رات یاد رکھو کہ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کی عمر ہوگی تو اس وقت سے سو برس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض اس

سے صحابہ کی تسکین مقصود تھی اور یہ بیان کرنا تھا کہ ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس پر قرینہ مبینہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنے انتقال کے قریب یہ خبر دی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مشرق و مغرب اور یورپ و ایشیاء کے سب لوگ مرجائیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ کی اس حدیث میں تخصیص نہیں بلکہ عام ارشاد ہے کہ جو کوئی اس رات میں روئے زمین پر موجود ہے ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا ایسے عام لفظ کو صحابہ کے ساتھ خاص کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ یعنی کوئی عام ایسا نہیں جس کی تخصیص نہ ہوئی ہو اور اس کے کئی شواہد و نظائر قرآن شریف میں موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے قوله تعالى 'إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ'۔ (سورہ مائدہ رکوع نمبر ۵)

یعنی جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی جزاء یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے نکال دے جائیں۔ ظاہر ہے کہ زندوں کو گل روئے زمین سے نکال دینا ممکن نہیں اس لئے الارض کی تخصیص ضروری ہے اور اس سے وہی زمین مراد ہے جہاں وہ رہتے ہیں، اسی طرح علی ظہر الارض جو اس حدیث شریف میں ہے۔ اس سے بھی گل روئے زمین مراد نہ ہوگی بلکہ وہی زمین مراد ہوگی جہاں صحابہ رہتے تھے اور اگر تعمیم کی جائے اس طور پر کہ اس رات کے موجود ہر آدمی مرجائیں گے تو اول تو اس سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ نہ وہ قیامت کی خبر ہے نہ صحابہ کا اس سے کوئی نفع و ضرر۔

اور قطع نظر اس کے یہ تعمیم کسی طرح بن بھی نہیں سکتی اس لئے کہ ظاہر الفاظ سے یہی

مستفاد ہے کہ اس بات سے سو برس تک جتنے لوگ روئے زمین پر ہوں گے سب مرجائیں گے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس رات والوں کی تخصیص سمجھی جائے اگر یہی مقصود تھا تو من علی ظہر الارض اللیلة ارشاد فرماتے اور اگر اللیلة کا لفظ ہم اپنی طرف سے بڑھائیں تو جب بھی تخصیص ہی ہوئی بہر حال کسی نہ کسی طرح سے اس حدیث میں تخصیص کرنے کی ضرورت ہے ورنہ عام رکھا جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ کہنا پڑے گا کہ سو برس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ کوئی باقی نہ رہے گا حالانکہ یہ باطل ہے فرق یہ ہے کہ ہم لفظ احد کو منکم کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور معترض علی ظہر الارض کو اللیلة کے ساتھ۔ اب ہمارے اور معترض کی توجہات کے نتائج کو دیکھئے ہماری توجہ میں ایک مہتمم بالشان فائدہ ہے اور معترض کی توجہ میں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

ایک جماعت کثیرہ اولیاء اللہ کی مثل حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اپنے مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں کہ ہم نے خضر علیہ السلام کو چشم خود دیکھا ہے اور ان سے فیضیاب ہوئے معترض کی توجہ پر سب کی تکذیب ہو جائے گی اور ہماری توجہ پر ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور ہماری توجہ پر بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کے حدیثوں میں تعارض نہیں رہتا جس سے حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بھی بحال خود صحیح رہتی ہے بخلاف معترض کی توجہ کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ٹھہرانے کی ضرورت ہوگی اگر کہا جائے کہ بخاری بہ نسبت مسلم کے زیادہ معتبر ہے اس لئے تعارض کے وقت بخاری کی حدیث کو ترجیح ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں ترجیح دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق نہیں کی جس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلم کی حدیث موضوع ہے اس قسم کی ترجیح اس اجماع کو باطل کرتی ہے جو مسلم شریف کے صحیح ہونے پر ہوا ہے اور ہماری توجہ پر دونوں حدیثیں صحیح رہتی ہیں۔ غرض ہم نے جو بخاری شریف کی

حدیث کی تخصیص کی ہے وہ بہ نسبت اس تخصیص کے جو معترض نے کی ہے کئی طرح سے مفید ثابت ہے۔

الحاصل حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ابن صیاد دجال موعود نہ تھا اور مرزا صاحب ابن صیاد کو دجال قرار دے کر دجال شخصی کی بلا اپنے سر سے ٹالنا چاہتے ہیں، وہ ٹل نہیں سکتی۔ یعنی جب تک ایک معین شخص دجال نہ بتائیں جس کیلئے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ان کی عیسویت ثابت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں ایک مسیح ابن مریم کا آخری زمانہ میں اترنا دوسری ٹانگ دجال معبود کا آخری زمانہ میں ظاہر ہونا سو یہ دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔

ناظرین تقریر بالا سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مرزا صاحب کی عیسویت کی تین ٹانگیں تھیں ایک ابن صیاد کا دجال موعود ہونا جو گذر چکا۔ دوسری ٹانگ پادریوں کا دجال ہونا۔ تیسری مسلمانوں میں صفات یہودیت آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہونا۔ سو یہ تینوں ٹانگیں بفضلہ تعالیٰ ٹوٹ گئیں۔ جب یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں میں یہود کے صفات آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہوگی بلکہ صد ہا حدیثوں سے اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کے نکلنے کے بعد اس کے قتل کیلئے اتریں گے اور پادریوں کو جو مرزا صاحب نے دجال قرار دیا اس کا خلاف واقع ہونا اور ابن صیاد کا دجال موعود نہ ہونا ثابت ہو گیا تو اب وہ عیسیٰ موعود تو نہیں ہو سکتے، ہاں جیسے عیسیٰ خان اور موسیٰ خان نام ہوتے ہیں تمہر کا اگر یہ نام اختیار کیا ہے تو ہمیں اس میں کلام نہیں مگر اس کے لئے یہ دعوے ضرورت سے زیادہ ہے کہ دم عیسوی سے وہ دجال یعنی پادریوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اگر یہ دعویٰ بھی صحیح ہوتا تو جب بھی مضائقہ نہ تھا مسلمان لوگ اس خوشی میں کہ ہمارا دشمن تو ہلاک ہو گیا، اغماض کر جاتے یہاں تو پادریوں اور ان کی دجالیت کی ترقی روز افزوں

ہو رہی ہے جس کے خود مرزا صاحب شاکی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کرسٹن بنائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب جو دعویٰ عیسویت کرتے ہیں اس کی بنا احادیث پر ہے کیونکہ بقول مرزا صاحب قرآن سے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت نہیں پھر جن احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے ان میں یہ بھی مصرح ہے کہ وہ اترتے ہی دجال کو مار ڈالیں گے اور ہمیں معلوم ہے کہ مرزا صاحب بیس سال سے پہلے قادیان میں اتر کر دعویٰ عیسویت کر رہے ہیں اور اب تک ان کا دجال مرانہیں تو ان کا دعویٰ انہیں کی دلیل سے باطل ہو گیا کیونکہ عیسیٰ کا دجال کو مار ڈالنا لازم ہے اور یہ لزوم انہیں احادیث سے ثابت ہے۔ جن پر مرزا صاحب کا استدلال ہے اس صورت میں بحسب قاعدہ عقلیہ مسلمہ انتقائے لازم سے انتقاء ملزوم ضروری ہے، یعنی پادریوں کے معدوم نہ ہونے سے مرزا صاحب کا عیسیٰ نہ ہونا انہیں دلائل سے ثابت ہوا جن پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں۔

یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب تو دجال یعنی پادریوں کو مار ہی ڈال رہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ وہ مرتا نہیں۔ واقعی اس مجبوری کا علاج نہیں بجز اس کے کہ اس دشمن قوی کے ہلاک ہونے کی دعا کی جائے۔ چنانچہ ہم بھی دعا گو ہیں اور بصدق دل چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اس دجال پر فتح نصیب ہو اگرچہ قرآن مبینہ اور وجدان گواہی دیتے ہیں کہ اس دعا کا اثر مرزا صاحب کی زندگی میں ظاہر ہونا ممکن نہیں۔ خیر یہ دعا تو ہوتی رہے گی ہم بھی کرتے ہیں مرزا صاحب بھی کرتے ہوں گے مگر کلام عیسویت میں ہے کہ پھونکتے پھونکتے عیسیٰ کا ناک میں دم آئے اور دم عیسوی ہوا اور برباد ہو جائے اور دشمن کو اس کے کچھ جنبش نہ ہو بلکہ اور اشتعال زیادہ ہو ایسے عیسیٰ سے تو بیمار ہی بھلا جس کی حالت کو دیکھ کر دلوں پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کو اس کا اضطراب چارہ جوئی پر مجبور کرتا ہے۔ کاش مرزا صاحب وہ درد جواز الہ

الاولیام کے آخر میں ظاہر کرتے ہیں کہ

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
قوم کے روبرو پیش کر کے اپنی سچی حالت کا ثبوت دیتے تو طیبیان قوم ایسے قسبی
القلب نہ تھے کہ اس طرف کچھ توجہ نہ کرتے مگر افسوس ہے کہ طبیعتِ مرزائی نے ذلت کو گوارا
نہ کر کے ایسے راست بازی کے طریقہ سے روکا جو مستحکم اور قوی الاثر تھا۔

ازالۃ الاولیام میں مرزا صاحب مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں دجال کی سرعت
سیر اور پانی برسانا اور کھیتی اگانا اور ارجیائے موتی وغیرہ امور کا ذکر ہے، نقل کر کے بیان کرتے
ہیں کہ (اگر ظاہری معنوں پر اس کو حمل کریں تو اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال
کو ایک قسم کی قوتِ خدائی دی جائے گی وہ گن سے سب کچھ کرے گا۔ سو پنچنا چاہئے کہ یہ سب
کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے انہوں نے (یعنی علمائے) ایک طوفانِ شرک کا برپا کر دیا
ہے)۔ انتہی ملخصاً۔

معلوم نہیں مرزا صاحب اس اعتقاد کو کس لحاظ سے شرک ٹھہراتے ہیں، اکابر علمائے
جنہوں نے اس حدیث کو صحیح مان لیا ہے جس کی بنا پر تمام اہل اسلام کا اعتقاد اس پر جما ہوا ہے
ان تک تو شرک کی ہوا بھی نہیں آسکتی کیونکہ انہوں نے قرآن شریف اول سے آخر تک پڑھا
ہے اور ہر آیت ان کے پیش نظر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے کما قال
تعالیٰ ”وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (مائدہ-120) ”وہی پیدا کرتا ہے وہی مارتا ہے اس کے
سوا کسی میں یہ قدرت نہیں۔ قال تعالیٰ ”وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ“ (مومن-80) ”
وہی رزق دینے والا ہے“ ”هُوَ الرَّزَّاقُ“ (ذاریات-58) ”وقوله تعالیٰ ”نَحْنُ نَزَّلُكُمْ وَ
إِيَّاهُمْ“ پانی برسانا اسی کا کام ہے ”وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً“ (انعام-100) ”
کھیتی کا اگانا اسی کا کام ہے“ ”وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَىٰ بِهِ الْأَرْضَ“ (نحل-

65) ”گمراہ کرنے کے واسطہ وہی شیاطین کو بھیجتا ہے“ اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلٰی الْكَافِرِينَ تَوْزُوْهُمْ اَزًّا (مریم-83) ”گمراہ کرنے والوں کو ہر جگہ وہی مقرر فرماتا ہے“ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِی كُلِّ قَرْیَةٍ اَكْبَرًا مُّجْرِمٍهَا لِيْمَكُرُوْا فِیْهَا (انعام-23) ”بعضوں کو خاص فتنوں کیلئے قرار دیتا ہے“ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (فرقان-20) ”جیسا کہ وہ آدمیوں کو پیدا کرتا ہے ان کے کاموں کو بھی پیدا کرتا ہے“ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (صفات-96) ”ہدایت اور گمراہی کے اسباب کو وہی پیدا کرتا ہے“ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا (بقرہ-26) ”کاموں کی نسبت جو بندوں کی طرف ہے مجازی ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے افعال ہیں“ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمِیْتَ اِذْ رَمِیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (انفال-17) ”اگرچہ ہدایت انبیاء کے طرف منسوب ہے۔ کما قال تعالیٰ“ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةً یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (اعراف-181) ”لیکن درحقیقت وہ اللہ ہی کا کام ہے“ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (قصص-50) ”اور بُرے کاموں کی رغبت اگرچہ شیطان دلاتا ہے کما قال تعالیٰ“ زَیِّنَ لَهُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَهُمْ (انفال-17) ”مگر درحقیقت وہ بھی اللہ ہی کا کام ہے“ وَزَیِّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ (نمل-4) ”جب تک خدائے تعالیٰ کی مشیت کسی کام سے متعلق نہیں ہوتی کسی کا خیال اس طرف متوجہ نہیں ہو سکتا“ وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (تکویر-29) ”فتح و شکست اسی کے ہاتھ ہے جس کو چاہتا ہے زمین کا مالک بنا دیتا ہے“ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اعراف-128) ”وقولہ تعالیٰ“ وَمَكَّنْهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ (انعام-6) ”ہدایت والوں کو اور گمراہی والوں کو دونوں کو وہی مدد دیتا ہے“ کُلًّا نَّمُدُّ هُوْلَآءِ وَهَوْلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ (اسراء-20) ”اس کی مصلحت میں کسی کو دخل نہیں جو چاہتا

ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا ”لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ“ (انبیاء-23) انبیاء کو ہدایت کرنے کیلئے بھیجتا ہے اور شیطان اور آدمیوں کو ان کا دشمن بنا دیتا ہے جن سے ان کو سخت مصیبتیں پہنچتی ہیں ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ (انعام-112)“ مگر ان کے دلوں کو ثابت رکھتا ہے ”وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَئِكَ لَقَدْ كِدْتُمْ تَرَكُّنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا“ جن کی گمراہی مقصود ہے ان کو انبیاء وغیرہم کتنا ہی سمجھائیں اور کیسی ہی دلائل بتلائیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں ”وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا (انعام-25) خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةً (بقرہ-7) وَلَقَدْ ذَرَأْنَا الْجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا (اعراف-179)“

وہ مالک و مختار ہے اپنے مخلوق میں جو چاہے کرے کسی کو مجال نہیں کہ اس سے پوچھ

سکے ”لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ (انبیاء-23)“

غرض نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں خواہ خیر ہوں یا شر معمولی ہوں یا غیر معمولی یعنی خوارق عادات سب کو حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ شیطان ہو یا دجال اپنی خود مختاری سے کچھ نہیں کر سکتا جب تک خدائے تعالیٰ نہ چاہے۔ ازل ہی میں سب کام معین اور تقسیم ہو چکے ہیں کہ فلاں کام فلاں شخص فلاں وقت میں کرے گا۔ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (رعد-39)۔ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (معجم کبیر۔ احادیث عبد اللہ بن العباس، مسند امام احمد، مسند عبد اللہ بن عمرو)۔ ازل میں حق تعالیٰ ہی نے مقرر فرما چکا ہے کہ دجال اس قسم کے فتنہ برپا کرے جس کی خبر جمیع انبیاء نے

پہلے سے دی ہے۔

چونکہ مشیت الہی مقتضی ہے کہ اس کی وجہ سے سوائے چند اہل ایمان کے کل گمراہ ہو جائیں اور قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہو کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے اولاً دجال کو ان تمام فتنہ پرداز یوں اور دعویٰ الوہیت کا الہام ہوگا۔ آپ حضرات شاید لفظ الہام پر برا فروختہ ہوئے ہوں گے کہ دعویٰ الوہیت کو الہام سے کیا نسبت تو اس کا جواب اجمالاً سن لیجئے کہ جھوٹے خواہ دعویٰ نبوت کا کریں یا الوہیت کا جب تک الہام نہیں ہوتا نہیں کر سکتے۔ ہر اچھے اور برے کام کیلئے الہام ہوا کرتا ہے۔ ”وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس - 7)“ غرض جب وہ بحسب الہام ضلالت دعویٰ الوہیت کریگا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو مدد ملے گی۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور چند لوازم الوہیت مثلاً پانی کا برسنا، زمین شور سے زراعت کا اگانا، مردوں کو زندہ کرنا، اس سے ظہور میں آئیں گے اور جس طرح عادت اللہ جاری ہے کہ کلمہ گن سے ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اسی طرح یہ سب چیزیں خاص اللہ تعالیٰ ہی کے امر کن سے وجود میں آئیں گی۔ دجال کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں مگر چونکہ دجال کے دعویٰ کے بعد ان کا ظہور ہوگا اس لئے ظاہرین بے ایمان یہی سمجھیں گے کہ وہ سب اسی حکم سے ہوئے جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور کن سے وہ سب کچھ کرے گا اور جس طرح بنی اسرائیل نے گوسالہ میں غیر معمولی بات دیکھ کر اس کو معبود بنالیا تھا اسی طرح ان خوارق عادات کی وجہ سے دجال کو معبود خالق رازق محیی سمجھ لیں گے کیونکہ قرآن کریم پر تو ان کا اعتقاد ہی نہ ہوگا اور جن کا اعتقاد قرآن کریم پر ہوگا وہ صاف کہہ دیں گے کہ تو دجال جھوٹا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ دجال کو چنناں و جنیں سمجھنا شرک ہے۔ فی الواقع صحیح ہے جو لوگ اس کو رازق محیی وغیرہ سمجھیں

گے وہ بے شک مشرک ہوں گے مگر احادیث صحیحہ پر وہ جو الزام لگاتے ہیں کہ ان میں شرک بھرا ہوا ہے اس الزام سے وہ احادیث مبرا ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً تو حید افعالی کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ فرما دیا اور جن آیات میں اس کا ذکر ہے باعلان شائع کر کے سب کو ان کا عامل بنا دیا جس سے ہر اہل ایمان سمجھ سکتا ہے دجال نہ رازق ہو سکتا ہے نہ مچی نہ ممیت۔ اب اگر کوئی شخص قرآن نہ پڑھا ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور تعلیم نبوی سے ناواقف ہو تو وہ بیشک اس حدیث شریف کو اعتراض کی نظر سے دیکھے گا مگر ایسا بے علم یا منکر شخص قابل التفات نہیں کلام ان علماء کے اعتقاد میں ہے جن کے پیش نظریہ سب آیات اور تعلیم نبوی تھی کیا یہ حضرات اور پورے قرآن پر کامل ایمان رکھنے والے بھی اس شرک کے قائل ہوں گے جس میں مرزا صاحب گرفتار ہیں ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب کو مجر دیت بلکہ مہدویت بلکہ عیسویت کا دعویٰ ہے اور یہ کل امور ایسے ہیں جن کا مدار ایمان پر ہے ان کی اس تقریر سے تو یہ مقولہ پیش نظر ہو جاتا ہے کہ پیر ماہمہ دارد ایمان ندارد کیونکہ اگر ان کو ان آیات پر ایمان ہوتا تو وہ دجال کی الوہیت لازم آنے کے قائل نہ ہوتے اور جب وہ اس کے قائل ہیں تو لازم آتا ہے کہ سامری کی قدرت خدائی پر ان کو ایمان ہوگا اور مان لیا ہوگا کہ مثل حق تعالیٰ کے کُن کہہ کر گوسالہ کو اسی نے بنی اسرائیل کا معبود بنا دیا جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ“ اور ”فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمُ وَاللَّهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ“ (طہ۔ 88) کیونکہ سونے اور چاندی سے ایسا کچھڑا بنانا جو زندہ اور آواز کرتا ہو کوئی معمولی بات نہیں ورنہ ایک خلق کثیر اس کی الوہیت کی کیونکر قائل ہوتی اگر وہ معمولی نہ تھا جس کی الوہیت کے وہ قائل ہو گئے تھے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع و ضرر کا مالک تھا۔ کما قال تعالیٰ ”أَفَلَا يَسْرُونَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا

يَمْلِكُ لَهُمْ صَرًّا وَلَا نَفْعًا“ (طہ-89) اب اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ جن حدیثوں میں دجال کے خوارق عادات مذکور ہیں ان احادیث پر ایمان لانے کی وجہ سے صحابہ اور محدثین اور کل امت مرحومہ پر الزام شرک عائد ہو سکتا ہے یا اس اعتقاد کی وجہ سے مرزا صاحب پر ۔

زاد غرور داشت سلامت نبرد راہ رند از رہ نیاز بدار اسلام رفت

حق تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھ عطا فرمائے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ مرزا صاحب ایک استدلال یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے انتہی ملخصاً۔ اور لکھتے ہیں جو کچھ دمشق حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار اس حدیث میں درج ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ میرا مکاشفہ ہے یا ایک خواب ہے اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب ہے جیسا کہ اس میں یہ اشارہ بھی ”کافی“ کا لفظ بیان کر کے کیا گیا ہے۔

دمشق والی حدیث جس کا حوالہ مرزا صاحب دیتے ہیں اس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر وہ میرے زمانہ میں نکلے گا تو میں خود اس کا مقابلہ کر لوں گا اور اگر میں نہ رہوں تو ہر شخص اپنے طور پر جہت قائم کر لے (اس کی علامتیں یہ ہیں) وہ جوان ہوگا اس کے بال مڑے ہوئے ہوں گے اور ایک آنکھ اس کی پھولی ہوئی ہوگی، وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا انتہی ملخصاً۔

مرزا صاحب اس حدیث کے ساتھ طواف والی حدیث کو جوڑ لگاتے ہیں اس غرض سے کہ جیسے طواف کی تعبیر ضروری ہے ویسے ہی دجال کی تاویل ضروری ہے، اسی وجہ سے

دجال سے گروہ پادریاں مراد ہے اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ مکاشفات بھی مثل خواب قابل تعبیر ہیں اور لفظ ”کائن“ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ مرزا صاحب یہاں ایک نیا قاعدہ ایجاد کر رہے ہیں کہ ”کائی“ سے خواب کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے حالانکہ یہ نص قطعی کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ”فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عِرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ“ (نمل-42) ظاہر ہے کہ بلقیس کا یہ قول خواب میں نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ کان تشبیہ کیلئے ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ دجال کو ایسے طور پر معین و مشخص فرمادیں کہ امت کو اس کے پہچاننے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے تا کہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں اس لئے اولاً اس کے تمام حالات و خوارق عادات بیان کر دیئے پھر اس کا حلیہ بیان فرمادیا اس پر بھی اکتفا نہ کر کے ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کو مشخص فرمادیا جس کو لوگ پہچانتے تھے تا کہ لوگ معلوم رکھیں کہ وہ کیسے ہی دعوے کرے مگر دراصل وہ ایک آدمی ہوگا، مشابہ عبدالعزیٰ کے۔ چنانچہ ایک موقع میں صراحۃً فرمادیا کہ میں اس کی وہ علامتیں تمہیں بتلاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ اس تشبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کی تعیین و تشخیص مقصود تھی یا الہام جب لفظ ”کان“ سے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ قابل تعبیر ہے تو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق تعبیر اور تاویل کریگا کیونکہ حضرت نے تو اس کی تعبیر کچھ بیان ہی نہیں فرمائی اس صورت میں حضرت کا وہ تمام اہتمام جو اس کی تعیین کے باب میں فرمایا سب بیکار ہو جائے گا۔ عقلاً و عادتاً یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی غائب کو معین کر کے بتلادینا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اس کے احوال مختصہ بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے اور چونکہ حلیہ میں بھی مفہیم کلیہ ہوتے ہیں جس سے تعیین شخصی نہیں ہوتی اس لئے اس کے مشابہ کوئی ہو تو اس کو دکھلا کر کہا جاتا ہے کہ وہ غائب اس کے مشابہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے بھی دجال کی تعیین و تشخیص کے بارے میں یہ تینوں مدارج طئے فرمادیئے۔ کنز العمال دیکھ لیجئے کہ ان تینوں قسم سے متعلق احادیث بکثرت موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب کو ضد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنا ہی اس کو شخص فرمادیں وہ متخص ہونے نہیں دیتے بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ابہام بڑھایا جائے۔

گورنمنٹ کے مخالفت کے خیال کو جو عیسیٰ بنے میں پیدا ہوتا تھا کس اہتمام سے مرزا صاحب نے دفع کیا، چنانچہ کشف الغطاء میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے عربی فارسی اردو کتابیں لکھ کر عرب، شام، کابل، بخارا وغیرہ کے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی اور معقول وجوہوں سے ان کو اس طرف جھکا دیا کہ گورنمنٹ کی اطاعت بدل و جان اختیار کریں۔ دیکھئے ان تمامی اسلامی بلاد کے مسلمانوں کو مرزا صاحب نے جو بار بار تاکید کی کہ ان اسلامی شہروں کو سلطنت اسلامی سے خارج کر کے نصاریٰ کے قبضہ میں دے دیں اور وہ اس طرف مائل بھی ہو گئے۔ اس میں کس قدر مرزا صاحب کا رویہ صرف ہوا ہوگا مگر اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور یہ سب کچھ رفع الزام مخالفت گورنمنٹ میں گوارا کیا مگر افسوس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضد اور مخالفت علانیہ کر رہے ہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے مخالفتوں پر دین کا مدار سمجھا جا رہا ہے۔ (ذکرہ صاحب عصائے موسیٰ)

مرزا صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ کو اپنے مکاشفہ پر قیاس کر کے اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس مکاشفہ سے کشف و ظہور نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کے تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یعنی مکاشفہ میں جو چیز دیکھی جاتی ہے درحقیقت وہ چیز نہیں ہوتی، جیسے خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس سے مراد مثلاً علم ہے دودھ نہیں۔ اسی وجہ سے خواب دیکھنے والا پریشان ہو کر تعبیر پوچھتے پھرتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اس کی تعبیر بیان بھی کر دے تو وہ بھی قابل یقین نہیں ہو سکتی کیونکہ جب تعبیر باعتبار صفات ولوازم و

مناسبات لیجاتی ہے اور ہر چیز کے لوازم و مناسبات بکثرت ہو سکتے ہیں تو کیونکر یقین ہو کہ جن مناسبتوں کا لحاظ تعبیر میں لکھا گیا وہی واقع میں بھی ہیں۔

اگر ہم تھوڑی دیر کیلئے مکاشفہ اور خواب کا ایک ہی حال فرض کریں جب بھی ہم کہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور وہاں کے الہام سے افضل تھا اس لئے کہ اس کا مقصود حضرت پر ظاہر ہو جاتا تھا اس کو تعبیر کے پیرایہ میں بیان فرما دیتے تھے، چنانچہ احادیث سے ظاہر ہے کہ خود حضرت کوئی خواب دیکھتے یا صحابہ اپنے خواب عرض کرتے حضرت اس کی تعبیر دے کر اس کے الہام کو اٹھا دیتے تھے۔ اگر اس مکاشفہ میں عبدالعزئی صورت مثالی دجال کی تھی جس کی تعبیر کی حاجت ہے تو مثل اور خوابوں کے اس کی بھی تعبیر خود بیان فرما دیتے ورنہ صورت مثالی کو بیان کر کے مصداق اور تعبیر بیان نہ کرنا شان نبوت سے بعید ہے کیونکہ ایسی مبہم چیز کے بیان سے سوائے سامعین کی پریشانی خاطر کے کوئی نتیجہ نہیں اور پیش گوئی کے مکاشفہ کو صحابہ قابل تعبیر سمجھتے تو جیسے اور خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے اس کی بھی تعبیر پوچھ لیتے کہ عبدالعزئی کے مشابہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ پھر دجال کا واقعہ کوئی معمولی نہ تھا کہ چنداں قابل التفات نہ ہو اس کی خوفناک حالتیں حضرت ہمیشہ بیان فرماتے۔ ام سائبہ کا اس سے ڈرنا اور انبیاء کا ڈرنا صحابہ کو معلوم تھا ہمیشہ نماز میں دعا کرتے (و اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال) ایسی حالت میں اگر مکاشفہ دجال کو قابل تعبیر سمجھتے تو صحابہ کی شان نہ تھی کہ ایسے اہم معاملہ کو مبہم چھوڑ دیتے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیا تھا تو کسی کو تو افسوس ہوتا کہ کاش کہ حضرت سے اس کی تعبیر پوچھ لی ہوتی حالانکہ کوئی روایت اس قسم کے افسوس کی نہ مرزا صاحب نے بتلائی نہ بتلا سکتے ہیں۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میرے پیچھے گویا کالی بکریوں کا ایک منہ چلا آ رہا ہے۔ پھر سفید بکریوں کا اتنا بڑا منہ آ گیا کہ اس میں کالی بکریاں چھپ گئیں۔ صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی شاید کالی بکریوں سے عرب اور سفید بکریوں سے عجم مراد ہوں گے۔ فرمایا ہاں صبح کے قریب ایک فرشتے نے بھی یہی تعبیر دی۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ من الکوائن بعدہ)۔ دیکھئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعبیر بیان فرمانے سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تعبیر دے دی اس سے ظاہر ہے کہ مبہم اور تعبیر طلب امور کی تعبیر معلوم کرنے میں صحابہ بے چین ہو جاتے تھے۔

جب ادنیٰ ادنیٰ شبہات کو صحابہ پوچھ کر اعتقاد کو مستحکم کر لیا کرتے تھے تو ایسے پر خطر اور خوفناک واقعہ کو صحابہ ضرور پوچھتے کہ حضرات انبیائے سابقین نے دجال کو ہوا بنا رکھا تھا (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں) یا واقع میں وہ کوئی چیز بھی ہے اور اگر ہے تو کسی قوم کا نام ہے یا کوئی معین شخص ہوگا جس کا یہ حلیہ بیان ہو رہا ہے اور تشبیہ دی جا رہی ہے۔

آپ حضرات خود سمجھ سکتے ہیں کہ بعد اس کے کہ دجال کا حلیہ بیان فرمایا گیا اور ایک شخص کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر معین فرما دیا اس پر بھی اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت اس کو آپ نے ہوا بنا رکھا ہے یا وہ کوئی قوم ہے تو یہ سوال کیسا سمجھا جاتا اور اس کا جواب کیا ہوتا کاش مرزا صاحب کا ہم خیال اس وقت کوئی ہوتا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتا تو اس سوال وجواب کا لطف سخن شناسوں کو قیامت تک آتا رہتا۔

کشف کے معنی مرزا صاحب یہ لیتے ہیں کہ اس میں صورت مثالی ظاہر ہوتی ہے اگر یہی معنی کشف کے ہیں تو چاہئے کہ اگر کسی چیز کا خیال کر لیا جائے تو اس کو بھی کشف کہیں اس لئے کہ اس میں بھی آخر صورت خیالی کا کشف ہوتا ہے اور دونوں میں اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر بعد تعبیر کے انطباق صورت مثالیہ کا صورت خارجیہ پر ممکن ہے تو بعد تحقیق کے صورت خیالیہ کا انطباق بھی صورت خارجیہ پر ممکن ہے پھر ایسا کشف جس کو خیال پر بھی فضیلت نہ ہو سکے اس کو کشف کہنا ہی اندھیر ہے۔

تمام اہل کشف کا اتفاق ہے جس سے اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے ہوئے ہیں کہ جس چیز کا کشف ہوتا ہے اس کو وہ کسراً اُی العین دیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ وہ خبر دیتے ہیں برابر اس کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر مرزا صاحب اس کو کیوں ماننے لگے تھے اگر ان کے روبرو حضرت بابزید بسطامی یا حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی پیش کئے جائیں تو وہ نہ مانیں گے اور اگر اپنے مطلب کی بات ہو تو نواب صدیق حسن خان صاحب کا قول پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ سلف صالح میں سے بہت سے صاحب مکاشفات مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتلا گئے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اور مولوی صدیق حسن صاحب نے ایسا ہی لکھا ہے مرزا صاحب یا تو بہت سے اہل مکاشفات و سلف صالح سے سوائے ان دو شخصوں کے کسی کا نام قابل ذکر نہیں سمجھا یا اس قول موافق کی وجہ سے ان کی قدر افزائی کر کے سلف صالح اور اہل مکاشفات میں ان کا حساب کر لیا۔ بہر حال ان کے صرف اس خیال اور تخمینی قول کی وجہ سے جو من وجہ مفید مدعا ہے، اگر سلف صالح ہیں تو وہ ہیں اور ولی کامل اور صاحب مکاشفہ ہیں تو وہ ہیں اور جس کا قول ان کے مخالف ہو خواہ وہ محدث ہو یا صحابی صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے بلکہ تمام اکابر دین پر شرک کا بھی الزام لگا ہی دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور طرفہ یہ ہے کہ اگر قابل تاویل و تعبیر ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف ہوا اور ایسے لوگوں کے کشف و پیشن گوئی میں نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ تعبیر کی۔ چنانچہ ان کے کشف کے مطابق چودھویں صدی کے شروع میں عیسیٰ آ بھی گیا افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو صدیق حسن خان صاحب کی پیشن گوئی کی جتنی وقعت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بھی وقعت نہیں اس پر یہ دعویٰ مہدویت وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اپنے کشفوں کی نسبت ہمیشہ زور دیا جاتا ہے کہ وہ صحیح نکلے گو ہر طرف سے اس کا انکار ہو رہا ہو۔ مسلم شریف کی حدیث چونکہ ان کے مدعا کے مخالف ہے لکھتے ہیں کہ

دُشَق کی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دجال کی علامتیں جو حدیث مسلم میں وارد ہیں، حضرت نے نہیں بیان فرمایا بلکہ مسلم نے بیان کیا، یعنی بنالیا ہے حالانکہ وہ حدیث خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور دجال کو خواب میں دیکھنے کی حدیث کو چونکہ مفید مدعا سمجھتے ہیں کمال عقیدت اور اہتمام سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف و صریح طور پر بیان فرمادیا کہ یہ خبر میرا مکاشفہ یا ایک خواب ہے حالانکہ اس حدیث میں نہ مکاشفہ کا لفظ ہے نہ خواب کا نام۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ کشف سے واقعہ منکشف ہو جاتا ہے یا وہ قابل تعبیر اور مبہم رہتا ہے۔ قرآن کریم سے تو ثابت ہے کہ اصل واقعہ مشہور ہو جاتا ہے، دیکھ لیجئے خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو صرف اس کشف کی بناء پر مار ڈالا کہ اگر وہ جوان ہوگا تو اپنے ماں باپ کو کافر بنادیگا۔ اب غور کیجئے کہ کس درجہ کا ان کو اپنے کشف پر وثوق تھا کہ معصوم لڑکے کو بغیر کسی گناہ کے نبی وقت کے روبرو مارنے کی کچھ پروا نہ کی اگر ذرا بھی ان کو اشتباہ ہوتا تو یہ قتل ہرگز جائز نہ ہوتا اور حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر جو اپنے کلام پاک میں دی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو یقینی کشف و عیاں عطا فرماتا ہے۔ اس موقع میں اہل ایمان و اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ باوجود یہ کہ خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ان کا کشف جب یقینی ہو تو افضل انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کشف یقین کے کس درجہ میں ہونا چاہئے۔ ”ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے پیش نظر کر دیا ہے میں اس کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو علانیہ دیکھتا ہوں“۔ غرض ان وجوہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی خبر جو کشف سے دی ہے اس میں نہ حضرت کو کسی قسم کا اشتباہ تھا نہ کوئی اہل ایمان شبہ کر سکتا ہے اور وہ کشف مثل خوابوں کے قابل تعبیر بھی

نہیں بلکہ جس طرح دجال کا حلیہ بیان فرمایا اور عبدالعزیٰ کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ویسا ہی وہ ہوگا۔ اب ہم چند کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت نے بیان فرمایا بلا کم و کاست و بغیر احتیاج تعبیر و تاویل اس کا ظہور ہوا۔ یوں تو حضرت کے مکاشفات بے حد و بے شمار ہیں مگر یہ چند بمنزلہ مشتہ نمونہ از خروار یہاں لکھے جاتے ہیں جن روایات ذیل میں کسی کتاب کا نام نہیں لکھا گیا، الخصائص الکبریٰ سے لکھی گئی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے ہر روایت کا حاصل مضمون لکھا گیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، دو شخص کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ایک ثقفی دوسرا انصاری اولاً آپ نے ثقفی سے فرمایا کہ جو تم پوچھنا چاہتے ہو پوچھو اور اگر منظور ہو تو تمہارا سوال بھی میں ہی بیان کر دوں۔ عرض کیا یہ اور زیادہ نادر ہوگا۔ فرمایا کہ تم رات کی نماز اور رکوع و سجود و غسل جنابت کا حال پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے قسم کھا کر حضرت کی تصدیق کی۔ پھر انصاری سے خطاب کر کے فرمایا کیا تمہارا بھی سوال میں ہی بیان کروں، عرض کیا ارشاد ہو۔ فرمایا تمہارا قصد بیت اللہ جانے کا ہے، مسائل وقوف عرفات و حلق رأس و طواف و رمی جمار پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے بھی قسم کھا کر تصدیق کی۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فی رؤیة اصحابہ الجن)

جس روز نجاشی پادشاہ حبش کا انتقال ہوا۔ حضرت نے ان کے وفات کی خبر دی اور عید گاہ تشریف لے گئے جہاں جنازوں پر نماز پڑھی جاتی تھی اور ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ (صحیح البخاری، باب الرجل یبغی الی اهل البيت)۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ نماز جنازہ غائب پر نہ تھی بلکہ جنازہ حضرت کے پیش نظر تھا۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ انہیں دنوں مشک وغیرہ ہدیہ میں نے نجاشی کو بھیجا تھا مجھے اسی روز یقین ہو گیا کہ وہ ہدیہ واپس آ جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے ایک لشکر مؤنہ (نام مقام) پر روانہ فرمایا تھا جس روز کفار کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا آپ خبر دے رہے تھے کہ رایت یعنی نشان کو زید رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے یہ فرما رہے تھے اور چشم مبارک سے اشک جاری تھے۔ فرمایا پھر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بغیر امارت کے لیا اللہ تعالیٰ نے فتح دی رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة موتة من ارض الشام)

جب مسجد قبا کی آپ نے بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ عمارت آپ بنا فرماتے ہیں اور یہی تین صاحب آپ کے ساتھ ہیں فرمایا کہ یہ تینوں شخص میرے بعد میرے خلفاء اور ملک کے والی ہوں گے۔ فرمایا خلافت نبوت میری امت میں تیس سال رہے گی اُس کے بعد پادشاہی ہو جائے گی۔ (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الخلافة۔ دلائل النبوة للامام البیہقی، جماع ابواب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم) اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ خلافت راشدہ کی مدت اسی قدر ہے۔ اور فرمایا کہ میں نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر ایسے کو دے رہے ہیں جیسے بندر۔ (تاریخ الخلفاء، باب الاحادیث المبشرہ بخلافة بنی العباس) اور فرمایا کہ نبی امیہ کے سرکشوں سے ایک سرکش کا خون رعاف میرے اس منبر پر بہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عمر بن سعید بن العاص کا خون رعاف منبر پر بہا۔ ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر کیں ان کا نام آپ نے عبد اللہ کہہ کر فرمایا کہ خلیفوں کے باپ کو لے جاؤ حضرت عباس کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو حضرت سے استفسار کیا فرمایا ہاں یہ خلفاء کے باپ ہیں ان کی اولاد میں سفاح مہدی وغیرہ ہوں گے۔ (تاریخ الخلفاء)

اور فرمایا بنی امیہ کے ہر روز کے معاوضہ میں بنی عباس دو روز اور ہر مہینے کے معاوضہ میں دو مہینے حکومت کریں گے۔ یعنی خلفائے عباسیہ کی حکومت کی مدت بنی امیہ کی مدت حکومت سے دو چند ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ خاص بنی امیہ کی حکومت تراسی 83 سال رہی اور بنی عباس کی حکومت ایک سو ساٹ برس سے چند سال زیادہ رہی۔

فرمایا جب تک تم میں عمر رضی اللہ عنہ ہیں دروازہ فتنوں کا بند ہے اور ان کی شہادت کے بعد ہمیشہ آپس میں کشت و خون ہوا کریں گے۔ اہل علم پر یہ امر اظہر من الشمس ہے۔ فرمایا قیصر و کسریٰ جواب موجود ہیں ان کے بعد پھر قیصر و کسریٰ کوئی نہ ہوگا۔ ایسا ہی ہوا۔ فرمایا فارس اور روم کو اہل اسلام فتح کریں گے، فارس کے ایک دو حملے ہوں گے اور اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مگر روم کے حملے مدتوں ہوتے رہیں گے۔ کتب توارخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔ (صحیح البخاری، باب الحرب خدعة)

فرمایا کسریٰ کے وہ خزانے جو سفید محل میں رکھے ہوئے ہیں، مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے اور کل خزانے کسریٰ و قیصر کے راہ خدا میں صرف کئے جائیں گے۔ توارخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے ہاتھ دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے دست بند اور کمر میں اس کا کمر بند اور سر پر اس کا تاج ہے جس روز تم یہ زیور پہنو گے تمہاری کیا حالت ہوگی۔ فتح فارس کے بعد دست بند وغیرہ کسریٰ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو آئے تو آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور وہ سب پہنا کر خدا کا شکر بجالایا کہ زیور کسریٰ جیسے بادشاہ سے چھین کر سراقہ کو جو ایک بدوی یعنی جنگلی شخص ہے پہنایا۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیرہ بیضا کو (جو ایک شہر ہے) میں دیکھ رہا ہوں اور یہ شہاب بنت نفیلہ ازویہ کالی اوڑھنی لپیٹے ہوئے نچر پر سوار ہے۔ خیرم بن اوس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ عورت مجھے عطا فرما دیجئے جس وقت ہم حیرہ کو فتح کریں اور اس کو پائیں تو میں اس کو لے لوں اور فرمایا اچھا ہم نے تمہیں کو دے دیا۔ خیرم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ہم حیرہ پر گئے پہلے وہی شیمہ بنت نفیلہ اسی حالت سے سامنے آئی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ میں اس کو پکڑ لیا اور کہا یہ وہی عورت ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیا ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس دعویٰ پر مجھ سے گواہ طلب کئے میں نے دو گواہ پیش کئے جب وہ میرے قبضہ میں آگئی تو اس کا بھائی میرے پاس آیا کہ شیمہ کو قیمت لے کر دے دو میں نے کہا کہ دس سو سے کم میں ہرگز نہ دوں گا۔ اس نے ہزار درہم دے کر لے گیا۔ لوگوں نے کہا تم نے کیا کیا اگر لاکھ درہم مانگتے تو وہ تمہیں دیتا میں نے کہا مجھے خبر نہ تھی کہ دس سو سے زیادہ بھی کوئی عدد ہوتا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو خلعت خلافت پہنائیگا اور لوگ چاہیں گے کہ تم اس کو اتار دیں تو تم ہرگز ان کی بات نہ مانو۔ قسم ہے اگر تم وہ خلعت اتار دو گے تو ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے۔

فرمایا بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے مدینہ کوئی چیز نہیں غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے کوفہ کی اقامت اختیار کی۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

ابو ذر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مکانات سلع تک (جو ایک پہاڑ ہے مدینہ طیبہ میں) پہنچ جائیں تو تم شام کی طرف چلے جانا اور میں جانتا ہوں کہ تمہارے امراء تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ عرض کیا ان لوگوں کو قتل نہ کروں جو آپ کے حکم

میں حائل ہوں؟ فرمایا نہیں ان کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ غلام حبشی ہو جب وہ حسب ارشاد شام گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں کو شام میں بگاڑ رہے ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بلالیا پھر وہ وہاں بھی نہ رہ سکے، ربذہ کو چلے گئے۔ وہاں کا حاکم عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ ایک روز نماز کی جماعت قائم ہوئی، غلام نے چاہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ امامت کریں۔ آپ نے کہا کہ تم ہی آگے بڑھو کیونکہ تم غلام حبشی ہو اور مجھے حضرت کا حکم ہو چکا ہے کہ غلام حبشی کی اطاعت کروں۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب ابن ملجم نے زخمی کیا، آپ نے اثنائے وصیت میں فرمایا جتنے اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں سب کی خبر حضرت نے مجھے دی ہے۔ یہاں تک کہ یہ میرا زخمی ہونا اور معاویہ کا مالک ملک ہونا اور ان کا بیٹا ان کا جانشین ہونا پھر مروان کی اولاد کے بعد دیگرے وارث ہونا اور بنی امیہ کے خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں حکومت کا منتقل ہونا، مجھے معلوم کر دیا اور وہ خاک بھی بتلا دی جس میں حسین قتل ہوں گے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسبت فرمایا کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا اور معاویہ سے صلح کر لی۔

فرمایا میرے اہل بیت کیلئے حق تعالیٰ نے آخرت پسند کی ہے۔ میرے بعد ان کو بلاؤں کا سامنا ہوگا، نکالے جائیں گے، قتل کئے جائیں گے۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ فرمایا کہ بعض امہات المؤمنین خلیفہ وقت سے جنگ کرنے کو نکلیں گے اور حواب (نام مقام) کے کتے ان کو دیکھ کر بھوکیں گے۔

عائشہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر ہنسیں۔ آپ نے فرمایا اے حمیرا دیکھو کہیں تم ہی نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب یہ تمہارے قبضہ میں آجائیں تو نرمی سے پیش آنا اور ان کے گھرانہ کو پہنچا دینا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بآراء راہ مقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب خواب کو پہنچیں کتے بھونکنے لگے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حواب سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آگیا اور فوراً واپس ہونے کا ارادہ کر لیں مگر زبیر رضی اللہ عنہ نے ترغیب دی کہ شاید آپ کی وجہ سے مسلمانوں میں صلح ہو جائے۔ غرض جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا وہ سب ظہور میں آیا۔ (الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات فیما خبر بہ)

حضرت نے زبیر سے فرمایا تھا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ جنگ جمل میں زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر میں تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آئے۔ آپ نے ان سے کہا کہ میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز تم اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے حضرت نے تم سے پوچھا کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو تم نے کہا کوئی چیز اس سے مانع ہے فرمایا تم ان سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا واقعی میں بھول گیا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گئے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے فرمایا کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔ حضرت کی وفات کے بعد ایک بار وہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ امید منقطع ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ غشی ہوئی جس سے سب گھروالے رونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں بچھونے پر مروں گا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت نے مجھے فرما دیا ہے کہ گروہ باغی مجھے قتل کرے گا۔ آخر حضرت علی اور معاویہ کے جنگ میں ان کو معاویہ کے لوگوں نے شہید کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے اور قتل بھی کئے جاؤ گے اور داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگیں ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بقصد عراق اونٹ پر سوار ہو رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام آئے اور کہا کہ آپ اگر عراق کو جائیں تو آپ کو تلوار کا سخت زخم لگے گا۔ فرمایا خدا کی قسم یہی بات حضرت نے مجھ سے بھی فرمائی تھی۔ معاویہ سے فرمایا کہ جب تمہیں خلافت کا لباس پہنایا جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہوگی سوچو کہ اس وقت کیا کرو گے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا میرے بھائی خلیفہ ہوں گے فرمایا ہاں لیکن اس میں بہت شر و فساد ہوں گے۔

جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ حکم ابن ابی العاص کا گذر ہوا۔ حضرت نے فرمایا میری امت کو اس شخص سے جو اس کی پیٹھ میں ہے بڑی بڑی مصیبتیں پہنچیں گی۔

کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ مروان بن الحکم کی وجہ سے مسلمانوں کو کیسی کیسی مصیبتیں پہنچیں۔ دراصل بانی فساد یہی تھا جس کی وجہ سے اہل مصر برہم ہوئے اور واقعہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیش آیا اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جتنی لڑائیاں ہوئیں سب کا ظاہری منشا یہی شہادت تھی جس کا باعث مروان ہوا۔ غرض مروان اسلام کے حق میں ایک بلائے جانکا تھا۔

ایک بار معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا بہت سے فتنے تیرہ و تار پے در پے ہونے والے ہیں ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں تم گنتے جاؤ، وہ کہتے ہیں کہ حضرت ایک ایک فتنہ کا نام لیتے تھے اور میں انگلیوں پر گنتا تھا۔ چنانچہ پانچواں فتنہ یزید کا بیان کر کے فرمایا لا یسارک اللہ فی یزید اور چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے۔ فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر مجھے دی گئی اور ان کی قتل گاہ اور ان کے قاتل کا نام بھی مجھے

معلوم ہے۔ اس کے بعد اور فتنے بیان کر کے دسواں ولید کا فتنہ بیان فرمایا کہ وہ ایک فرعون ہوگا کہ اسلام کے شرائع کو ڈھائے گا۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں ولید کا حال لکھا ہے کہ وہ 125ھ میں خلیفہ ہوا اور ہمیشہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ شراب خوری کی یہ کیفیت کہ ایک حوض شراب سے بھرا رکھتا تھا جب خوش ہوتا اس میں کود پڑتا اور خوب سا پیتا۔ ایک بار حج کا ارادہ اس غرض سے کیا کہ کعبہ شریف کے سقف پر جا کر شراب پیے۔ ایک روز لونڈی کے ساتھ مرتکب ہو کر بیٹھا تھا کہ موذن نے اذان دی۔ کہا خدا کی قسم آج اس لونڈی کو امام بنادوں گا۔ چنانچہ اپنا لباس اس کو پہنا کر مسجد کو بھیجا اور حالت جنابت میں اس نے امامت کی۔ ایک بار قرآن کریم کی فال دیکھی یہ آیت نکلے ”وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ“ (ابراہیم-15) برہم ہو کر قرآن شریف کو پارہ پارہ کر دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

أَتُوْعِدُ كُلَّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ فَهَآ أَنَا ذَلِكْ جَبَّارٌ عَنِيدٌ
إِذَا مَا جِئْتُ رَبِّكَ يَوْمَ حَشْرِ فَقُلْ يَا رَبِّ مَزِّفْنِي الْوَلِيدُ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لائے، حاضرین سے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو مکروہ نہ جانو جب وہ تم میں نہ رہیں گے تو مثل حنظل کے سر لڑکا کریں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ 60ھ اور لڑکوں کی امارت نہ دکھائیو ان حضرات کی پیشین گوئی کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر پہلے ہی دی تھی چنانچہ ایک بار فرمایا کہ یہ امر یعنی اسلام کا معاملہ سیدھا اور قائم رہے گا۔ اس وقت تک کہ ایک شخص ہی بنی امیہ سے جس کا نام یزید ہے اس میں سوراخ اور رخنے ڈالے گا۔ (تاریخ الخلفاء، معاویہ بن ابی سفیان)

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حرہ پر ہوا جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے۔ حضرت کھڑے ہو گئے اور انسا للہ پڑھا صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا اس مقام پر میری امت کے بہتر اور عمدہ لوگ قتل کئے جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت میں مقام حرہ پر صرف علماء سات قتل ہوئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔

سعید بن مسیب نے کہا کہ خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسری عمر نے پوچھا دوسرے عمر کون؟ کہا قریب ہے کہ تم پہچان لو گے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ دوسرے عمر، عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ سعید ابن مسیب کا انتقال ان کے دو سال پہلے ہوا اس لئے وہ بتلا نہ سکے۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بنی امیہ پر لعنت مت کرو ان میں ایک صالح امیر ہیں، یعنی عمر بن عبدالعزیز۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھیں۔

فرمایا قیامت تک تمیں جھوٹے نکلیں گے جن میں مسیلمہ عنسی اور مختار ہیں اور عرب میں بدتر قبیلہ بنی امیہ اور بنی ثقیف ہیں۔ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص بیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ وہ اچھوں سے کوئی اچھی بات قبول کرے گا نہ بروں کی خطا معاف کرے گا بلکہ جاہلیت کا ساحم کرے گا۔

ابو الیمان کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ حجاج ثقفی نکلتے والا ہے جس کے اوصاف انہوں نے بیان کر دیئے۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ مسیلمہ کذاب عنسی مختار اور حجاج کیسے بلائے بے درمان تھے جن کی خبر حضرت نے دی ہے۔

فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو لوگ عیلان کہیں گے، اس کا ضرر ابلیس کے ضرر سے بڑھا ہوا ہوگا۔ یہ شخص دمشق میں تھا، مذہب قدریہ کو اس نے ایجاد کیا، اس کا قول تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں آدمی اپنے فعل کا آپ مختار اور خالق ہے۔

خوارج کے قتل کا واقعہ اوپر مذکور ہوا جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے اور سب پیشین گوئیاں بلا کم و کاست ظہور میں آئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ایک آگ نکلے گی جس سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آگ 654ھ میں نکلی تھی۔ خلاصۃ الوفاء میں لکھا ہے کہ اکابر محدثین مثل امام نووی اور قطب قسطلانی وغیرہ نے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ اس آگ کے حالات میں مستقل رسالے لکھے ہیں اور اہل شام کے نزدیک اس آگ کا نکلنا بتواتر ثابت ہے۔ اس کا واقعہ مواہب اللدنیہ اور خلاصۃ الوفاء وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک آگ مقام ہیلہ میں پیدا ہوئی جو مدینہ منورہ سے شرق کے جانب ایک منزل پر واقع ہے۔ اس آگ کا طول چار فرسخ یعنی سولہ میل اور عرض چار میل تھا اور بہیت مجموعی ایک وسیع آگ کا شہر نظر آتا تھا جس کے اطراف فصیل اور اس کے اوپر کنگرے اور برج آگ کے محسوس تھے اور ارتفاع میں اس قدر تھی کہ مکہ معظمہ کے لوگوں نے اس کو دیکھا اور بصری کے اونٹوں کی گردنیں اس سے چمکتی تھیں جب اپنے مقام سے وہ حرکت کی تو جس پہاڑ پر اس کا گزر ہوتا اس کو گلا دیتی اور بڑھتی ہوئی مدینہ تک پہنچی۔ دو یا تین مہینے حد حرم پر رہی۔ قرطبی رحمہ اللہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں یعنی 27 رجب کو وہ آگ بجھی۔ خوارج کے متعلق پیشین گوئیاں اوپر مذکور ہوئیں اور ان کے وقوع کا حال بھی معلوم ہوا۔

اسی طرح وہابیوں کے فتنہ کی بھی پوری پوری خبریں حضرت نے دیں۔ چنانچہ الدار السنیہ میں شیخ دحلان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ کے باب میں صحیح صحیح احادیث وارد ہیں۔ بعض بخاری اور مسلم میں ہیں اور بعض دوسری کتابوں میں۔ ان میں سے چند حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْفِتْنَةُ مِنْ هَاهُنَا أَلْفِتْنَةُ مِنْ هَاهُنَا وَ أَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ - یعنی فرمایا کہ فتنہ ادھر سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ وَ

قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَفِي نَجْدِنَا قَالَ هُنَاكَ الرَّزَازِلُ وَالْفِتْنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ - (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق) - مختصر یعنی ایک بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجو۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارے نجد کیلئے بھی دعا فرمائے۔ ارشاد ہوا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور شیطان کا سینک وہاں سے نکلے گا۔ وَفِي رِوَايَةٍ سَيَظْهَرُ مِنْ نَجْدٍ شَيْطَانٌ تَتَزَلُّزَلُ جَزِيرَةُ الْعَرَبِ مِنْ فِتْنَتِهِ - یعنی فرمایا قریب ہے کہ ظاہر ہوگا نجد کی طرف سے ایک شیطان جس کے فتنے سے جزیرہ عرب متزلزل ہو جائے گا۔ وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا تَجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَا يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فَوْقِهِ سِيمَاهُمْ التَّحْلِيْقُ - (صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قراءة الفاجر والنفاق) - یعنی فرمایا بہت سے لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ ہرگز دین میں نہ لوٹیں گے اور یہ نشانی ان کی سرمنڈوانا ہے۔ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ ضُضْضِي هَذَا (أَيْ ذِي الْخُوبِصْرَةِ أَوْ فِي عَقَبِ هَذَا) قَوْمًا يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ - (صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج وصفاتهم) یعنی ذوالخوبصرہ تمیمی کے خاندان سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔ اہل اسلام کو وہ قتل کریں گے اور بت برستوں کو چھوڑ دیں گے۔

شیخ دحلان نے الدار السنیہ میں اس قسم کے اور روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی قبیلہ تمیم کا ایک شخص تھا۔ 1143ھ میں اس کا فتنہ نجد سے شروع ہوا۔ اول تو لوگوں کو خالص توحید کے طرف بلاتا اور شرک کی مذمتیں بیان کرتا تھا۔ جب اہل اسلام نے سادگی سے اس کا اتباع قبول کر لیا اور رفتہ رفتہ ایک گروہ بن گیا تو اس نے قتل و غارت شروع کر دیا اور ظالمانہ طریقہ سے بزور شمشیر تسلط بڑھاتا گیا یہاں تک کہ حرمین شریفین بلکہ کل جزیرہ عرب پر اس گروہ کا تسلط ہو گیا۔ حالت ان کی یہ تھی کہ جمیع انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور کسر شان کے ساتھ ان کو نہایت دل چسپی تھی، شہد اور اولیاء اللہ کی قبریں کھدوا کر نجاستیں بھردی جاتی تھیں۔ دلائل الخیرات اور اوراد و اذکار کی کتابیں اور بزرگان دین کے تذکرے جلادینے جاتے تھے اور ضروریات دین سے یہ بات ٹھہرائی گئی تھی کہ 600ھ چھ سو سے اس طرف جتنے علماء و سادات و مشائخین و اولیاء اللہ ہوئے ہیں سب کی تکفیر کی جائے اگر اس میں کوئی تامل کرتا تو فوراً قتل کر دیا جاتا۔ غرض ان ملحدانہ اور ظالمانہ حرکات سے تمام جزیرہ عرب 1227ھ تک ایک تہلکہ عظیم میں گرفتار تھا۔ اس نے اپنے ہم مشربوں کی علامت تخلیق راس قرار دی تھی اگر کوئی سر نہ منڈواتا تو اس کو اپنے گروہ میں نہ سمجھتا۔ اس باب میں اس کو اس قدر اصرار تھا کہ عورتوں کو بھی سر منڈوانے پر مجبور کیا۔ آخر ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سر کے بال ایسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھیاں، مرد لوگ اگر داڑھیاں منڈوا دیں تو ہمارا سر منڈوانا بجا ہوگا۔ اس جواب سے لاجواب ہو کر عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ غرض اس کا نجدی اور خاندان بنی تمیم سے ہونا اور مدینہ کے شرقی جانب سے جو نجد اسی جانب میں واقع ہے، نکلنا اور بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرنا اور تمام جزیرہ عرب اس کے فتنہ سے متزلزل ہونا اور قرآن کریم کا کوئی اثر اس قوم کے دل میں نہ ہونا اور تخلیق کو اپنے گروہ کی علامت قرار دینا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بلا کم و

کاست ظہور میں آیا۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ آخری زمانہ کے مسلمان بنی اسرائیل کی پیروی کریں گے اور بعضوں میں مطلقاً امم سابقہ کی تصریح ہے جن میں نصاریٰ اور فارسی بھی شریک ہیں۔ اس پیشین گوئی کا وقوع ظاہر ہے کہ اس زمانے کے مسلمان نصاریٰ کی کس قدر پیروی کر رہے ہیں۔ کھانا، پینا، لباس وضع رفتار، گفتار، نشست برخاست وغیرہ جمیع امور معاشرت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوتا۔ باوجود یہ کہ موچھیاں بڑھانے میں سخت وعید وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی شفاعت نہ کریں گے مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ صرف انگریزی دانوں کی تقریریں سن کر علوم اسلامی میں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔ حکمت جدیدہ کا اگر کوئی مسئلہ پیش ہو گیا تو قبل اس کے کہ اس کی دلیل معلوم کریں۔ قرآن و حدیث پر اعتراض ہونے لگتے ہیں نہایت ذہین اور محقق وہ شخص مانا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث میں تحریف و تاویل کر کے نئے خیالات کے مطابق کر دے۔ نصاریٰ اپنے مکانات کی آرائش تصاویر سے کیا کرتے ہیں، مسلمانوں نے بھی وہی اختیار کیا حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے ”لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيْرٌ“ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، والزینۃ باب لا تدخل الملائکۃ) متفق علیہ اور جبریل علیہ السلام کا قول حضرت نے نقل فرمایا کہ ”لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ“ یعنی جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔ مرزا صاحب کے مریدوں کے گھر میں ان کی تصویر ضرور رہا کرتی ہے اور مرزا صاحب نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

کلام الہی میں تحریف کرنے کی عادت یہودیوں کی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ“ (نساء-46) یعنی کلمات کو اپنے مقام و معانی سے دوسرے طرف پھیر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اور ان کے پہلے سرسید صاحب نے وہی اختیار کیا جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ یہاں چند تحریفیں جو مرزا

صاحب نے کی ہیں لکھی جاتی ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ظاہر ہے۔
مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ 665 میں لکھتے ہیں کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ
اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو گیا
ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن
و حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔
اور قرآن کریم انہم لایرجعون کہہ کر ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے اور قصہ
عزیر وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم و
غشی بھی آیا ہے دیکھو قاف موس اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ
حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ
کو زندہ کرتا ہے اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے۔
ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت
ہوا۔ پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ اس
کے بعد ضرور کہیں اس کے موت کا ذکر ہوتا۔ انتہی۔

جس آیت شریفہ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ
”أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ
بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ
يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ
إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ
نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ -
(بقرہ- 259) ترجمہ یا جیسے وہ شخص کہ گذرا ایک شہر پر جو گر پڑا تھا اپنے چھتوں پر بولا کہاں

جلاوے گا اس کو اللہ مرگے پیچھے۔ پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا۔ کہا تو کتنی دیر رہا بولا میں رہا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ کہا نہیں بلکہ رہا تو سو برس اب دیکھ اپنا کھانا، پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے۔ اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت۔ پھر جب اس پر ظاہر ہوا تو بولا میں جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تفسیر درمنشور میں مستدرک حاکم اور بیہقی وغیرہ کتب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد جب زندہ کئے گئے تو پہلے حق تعالیٰ نے ان کی آنکھیں پیدا کیں جن سے وہ اپنے ہڈیوں کو دیکھتے تھے کہ ایک دوسرے سے متصل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ان پر گوشت پہنایا گیا۔ اور اسی میں ابن عباس اور کعب اور حسن بصری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور سو برس تک وہ مردہ رہے جب زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو ان کے پوتے بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اس لئے کہ مرتے وقت آپ کی عمر چالیس ہی برس کی تھی۔ اس کے سوائے اور کئی روایتیں اس مضمون کی مؤید درمنشور میں موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب ان احادیث کو نہیں مانتے اور آیت شریفہ میں جو ”فَأَمَاتَهُ اللَّهُ“ ہے اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو سلا دیا یا بیہوش کر دیا۔

یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ عزیر علیہ السلام کو استبعاد کس امر کا تھا سو کے اٹھنے کا یا مردے زندہ ہونے کا۔ اس آیت شریفہ میں تو ”أَنِّي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا“ سے صاف ظاہر ہے کہ احیائے اموات کا استبعاد تھا اور ظاہر ہے کہ یہ استبعاد سو کے اٹھنے یا بیہوشی سے ہوش میں آنے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی یہ توجیہ کہ موت بمعنی نوم یا غشی ہے کیونکر صحیح ہوگی۔ ہاں سو برس کی نیند یا بیہوشی کے بعد اٹھنا البتہ ایک حیرت خیز بات ہے مگر اس سے بھی ان کا استبعاد احیاء دور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ موت ظاہر اعدام محض ہے اور

نوم و غشی طویل میں صرف طول عمر ہی جو قابل استبعاد نہیں اور طول عمر پر اعادہ معدوم کا قیاس بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر ناقص نظیر کے طور پر اس کو مان بھی لیں تو اس تطویل مدت کا ان کو مشاہدہ بھی نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے جواب میں انہوں نے یہی عرض کیا کہ لبثت یوماً اوبعض یوم یعنی تقریباً ایک دن گزرا ہوگا جس کے بعد ارشاد ہوا کہ سو برس گزر چکے ہیں۔ اس کی تصدیق بھی انہوں نے ایمانی طور پر کی جیسے احیائے اموات کی تصدیق پہلے سے ان کو حاصل تھی۔ البتہ ان کا استبعاد اس طور سے دور ہو سکتا تھا کہ پچشم خود مردہ کو زندہ ہوتے دیکھ لیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پہلے ان کی آنکھیں زندہ کی گئیں جس سے انہوں نے خود اپنے تمام جسم کے زندہ ہونے کو دیکھ لیا، پھر گدھے کے زندہ ہونے کو دیکھا جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اگر ان کے استبعاد کے دور کرنے کا وہی طریقہ بیان کیا جائے جو مرزا صاحب کہتے ہیں تو عوام الناس کو خصوصاً منکرین حشر کو بڑا موقع اعتراض کا ہاتھ آجائے گا کہ حق تعالیٰ میں احیائے اموات کی نعوذ باللہ قدرت ہی نہیں کیونکہ اگر قدرت ہوتی تو ایسے موقع میں کہ نبی استبعاد ظاہر کر رہے ہیں ضرور اس کا اظہار ہوتا جس سے وہ اعتراف کر لیتے مگر جب ہمیں ان کا اعتراف یقیناً معلوم ہو گیا جیسا کہ اس قصہ کے اخیر میں ہے ’فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ‘ (بقرہ۔ 259) تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت انہوں نے اپنے اور اپنے گدھے کے مرکز زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ورنہ تبیین درست نہ ہوگا۔

مرزا صاحب کا مذاق چونکہ فلسفی ہے اور اکثر فلسفہ کے خلاف میں جو آیات و احادیث وارد ہوتے ہیں ان کو رد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے باب میں لکھے ہیں کہ اس کو نہ فلسفہ قدیمہ قبول کرتا ہے نہ فلسفہ جدیدہ اس لئے وہ محال ہے۔ اسی طرح عزیر علیہ السلام کی پہلی موت اور اس کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ہر چند نوم و غشی کے معنی سباق و سیاق کے بالکل مخالف ہیں مگر مذاق فلسفیانہ کی مخالفت کی

وجہ سے اس کی کچھ پروانہ کر کے بیہوشی کے معنی لیتے ہیں۔

یہاں حیرت اس امر کی ہوتی ہے کہ فلسفہ نے یہ اجازت کیونکر دی کہ آدمی بغیر کھانے پینے کے سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ رہنے میں تو بڑا ہی زور لگایا کہ کیا وہاں ظروف بھی ہوں گے، مطبخ بھی ہوگا، پانچانہ بھی ہوگا۔ معلوم نہیں اس سو برس کیلئے جس کے چھتیس ہزار دن ہوتے ہیں مطبخ وغیرہ کی کیا فکر کی گئی۔ مرزا صاحب ہیں بڑے ہوشیار اگرچہ لکھا نہیں مگر اس مائے عام میں کوئی نہ کوئی نکتہ معتقدین کیلئے سینہ بہ سینہ ضرور رکھا ہوگا۔ چونکہ ان کی طبیعت نکتہ رس حساب جمل وغیرہ سے اکثر کام لیتی ہے۔ چنانچہ اپنی عیسویت کو غلام احمد قادیانی کے اعداد سے ثابت کر ہی دیا کہ اس نام کے تیرہ سو عدد ہیں اور دنیا میں اس نام والا کوئی شخص نہیں اس لئے خود عیسیٰ موعود ہیں۔ تعجب نہیں کہ اس مقام میں بھی اسی قسم کا نکتہ پیش نظر ہوگا کہ یہاں لفظ سنہ حول اور خریف وغیرہ چھوڑ کر لفظ عام استعمال کیا گیا اور لفظ عام کے اعداد (111) ہیں چونکہ یہ شکل بارہ کیلئے موضوع ہے اسی وجہ سے تمام گھڑیوں میں یہی شکل بارہ کیلئے مخصوص کی گئی ہے کہ جب کاٹنا اس شکل پر آتا ہے تو بارہ بجتے ہیں اس سے قطعاً اور یقیناً ثابت ہے کہ بارہ گھنٹے وہ سور ہے تھے اور قیلولہ کا وقت بھی بارہ ہی کا ہے۔ ہر چند اس نکتہ میں مائے عام سے مائے کے معنی متروک ہوتے ہیں مگر نکات میں سیاق و سباق کا لحاظ چنداں ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ جیسے اپنے نام کے صرف اعداد سے عیسویت کا ثبوت اسی بناء پر ہوتا ہے کہ نہ وہ سیاق میں ہے نہ سباق میں اور نیز اسی آیت شریفہ کے معنی سے جو مرزا صاحب کے اجتہاد سے پیدا ہوتے ہیں ابھی معلوم ہوگا یہ نکتہ تو ہمارے بادی الرائے میں سمجھا گیا، مرزا صاحب جو غور و تامل سے نکالے ہوں گے وہ اس سے زیادہ تڑپتا ہوگا۔

تو لہ قرآن وحدیث دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔

ظاہر آیت موصوفہ اور احادیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام بعد موت کے

دنیا میں زندہ کئے گئے اور دوسری آیت و احادیث سے ثابت ہے کہ ہزاروں آدمی بعد موت کے دنیا میں ہی زندہ کئے گئے کما قال تعالیٰ ”أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ“ (بقرہ-243) ترجمہ: تم نے نہیں دیکھا وہ لوگ گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو اللہ تعالیٰ نے مر جاؤ پھر ان کو زندہ کیا۔ انتہی۔ ابن عباس وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے بکثرت روایتیں تفاسیر میں موجود ہیں کہ وہ لوگ چار ہزار تھے جو طاعون سے بھاگ کر کسی مقام میں ٹھہرے تھے۔ حق تعالیٰ نے سب کو مار ڈالا پھر کئی روز کے بعد جزّ قیل علیہ السلام کی دعا سے وہ سب زندہ ہوئے۔ اب دیکھئے کہ قرآن و حدیث کی گواہی سے ہمارا حق ثابت ہو رہا ہے یا مرزا صاحب کا مگر اس کا کیا علاج کہ مرزا صاحب نہ حدیث کو مانتے ہیں نہ قرآن کو۔ (قولہ قرآن ”انہم لایرجعون کہہ کر ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے) پوری آیت شریفہ یہ ہے ”وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ“ (انبیاء-95) یعنی جس گاؤں کو ہم لوگ ہلاک کرتے ہیں وہ پھر نہیں لوٹتے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ہلاک کی ہوئی بستیاں خود مختاری سے نہیں لوٹیں کیونکہ لایرجعون بصیغہ معروف ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی کو زندہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ ابھی قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ ہزار ہا مردوں کو ایک وقت میں حق تعالیٰ زندہ کر دیا۔ قولہ عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ درحقیقت الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر جان ڈالتا ہے۔ یہاں بھی مرزا صاحب نے عجیب لطف کیا ہے کہ نہ وہاں گدھا مرا ہوا تھا نہ اس کی ہڈیاں تھیں بلکہ ایک عورت کا رحم پیش نظر تھا جس کے اندر ہڈیوں پر گوشت چڑھ رہا تھا کیونکہ حق تعالیٰ عزیر علیہ السلام کی طرف خطاب کر کے فرمایا ”أَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا“ (بقرہ-259) اس سے معلوم ہوا کہ رحم کی طرف وہ دیکھ رہے ہوں گے

مگر قرآن شریف میں کوئی لفظ یہاں ایسا نہیں ہے جس سے معنی رحم کے سمجھ میں آئیں اور جب گدھے کے زندہ ہونے اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھنے سے کوئی تعلق نہیں اور رحم کی حالت جداگانہ بتلانا منظور تھا تو معلوم نہیں کہ اُنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ (بقرہ-259) کہہ کر صرف گدھے کو بتلادینے سے کیا مقصود تھا کیا گدھا بھی کوئی ایسی چیز تھا کہ اس وقت اس کا دیکھ لینا ان کو ضروری تھا۔ پھر بھی اس کا ذکر بھی بڑے اہتمام سے قرآن شریف میں کیا گیا ہے کہ ان کو گدھا دکھلایا گیا تھا، گدھے تو اب بھی ہر قسم کے موجود ہیں اس گدھے میں ایسی کوئی بات تھی جس کی حکایت کی جارہی ہے۔ اب اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ جن ہڈیوں پر گوشت چڑھائے جانے کا ذکر ہے وہ مردہ گدھے کی ہڈیاں تھیں یا رحم کے بچے کی اور صورت ثانیہ یہ بھی غور طلب ہے کہ ہڈیاں رحم میں پہلے بنکر اس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے یا گوشت پہلے بنتا ہے۔ اگر اہل انصاف صرف اسی بحث کو کڑا ت و مّرّات بغور ملاحظہ فرمائیں تو مرزا صاحب کی قرآن فہمی کا حال بخوبی واضح ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اپنی بات بنانے کو وہ کس قدر کلام الہی میں تصرف کرتے ہیں یوں تو معتزلہ وغیرہ اہل ہوا بھی قرآن شریف میں تاویل کرتے ہیں مگر مرزا صاحب کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے قولہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہ تھی۔

مطلب یہ ہوا کہ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا جو ذکر ہوا اس کے بعد دوسری ان کی موت کا ذکر نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بَعَثَهُ اللَّهُ سے مراد اس عالم کی زندگی نہیں بلکہ اس عالم اخروی میں زندہ ہونا مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ أَمَاتَهُ اللَّهُ سے مراد موت حقیقی لی گئی حالانکہ اس کا انکار کر کے نوم و غشی کے معنی ابھی بیان کر آئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کو امانت سے کام ہے نہ بعثت سے جہاں کوئی موقع مل گیا الٹ پھیر کر کے اپنی جمائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی توجیہات کے مطابق آیہ موصوفہ کی تفسیر سنیں کہ عزیر علیہ السلام نے احیائے اموات پر استبعاد ظاہر کیا اس پر حق تعالیٰ نے ان کو بیہوش کر دیا اور عالم اخروی میں ان کو زندہ کر کے پوچھا کہ کتنے روز تم کو مر کر ہوئے انہوں نے کہا تقریباً ایک روز۔ ارشاد ہوا کہ سو برس تم کو مر کر ہوئے دیکھو تمہارا کھانا پینا متغیر نہیں ہوا اور گدھے کو دیکھ لو اور رحم میں دیکھو کہ بچے کے ہڈیوں پر کس طرح ہم گوشت چڑھاتے ہیں، یعنی مرنے کے سو برس بعد اس کا استبعاد دور ہو گیا۔ معلوم نہیں سو برس تک وہ کہاں رہے اس عالم سے تو مر ہی گئے تھے اور اس عالم میں سو برس کے بعد زندہ ہوئے۔ پھر کھانا پینا بھی ساتھ ساتھ گویا سفر آخرت کا توشہ تھا جس کے دیکھنے کا حکم ہوا اور گدھا جو دکھلایا گیا وہ بھی شاید سواری اس سفر کی تھی بھلا یہ زور راہ اور سواری تو قرین قیاس بھی ہے کہ آخر سفر کا لازمہ ہے مگر رحم کے بچے کو دیکھنے میں تامل ہوتا ہے کہ اس کی وہاں کیا ضرورت تھی۔ بہر حال مرزا صاحب کے ان حقائق و معارف قرآنی کو ہم ہدیہ ناظرین کر دیتے ہیں وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ قرآن شریف میں مرزا صاحب کیسے کیسے تصرفات اور تحریفات کرتے ہیں۔ لفظ اَمَاتٌ میں تحریف کی پھر لَا یَسْرِ جَعُونَ میں پھر اَنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ میں پھر نَكْسُوْهَا لِحَمٰمٍ (بقرہ۔ 259)۔ اگرچہ ہنوز اس میں غورو فکر کی گنجائش ہے مگر بنظر ملال ناظرین اسی پر اختصار کیا گیا۔ مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

فی الحقیقت مرزا صاحب نے قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان اس میں ان کا ہم پلہ ہو سکے کیونکہ یہ بیچارے اس حدیث شریف کے لحاظ سے ناردوزخ سے خائف اور لرزاں ہیں۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بَرَأَيْهِ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ)۔ یعنی فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی قرآن میں اپنی

رائے سے کچھ کہے تو اپنی جگہ دوزخ میں بنا لے اور مرزا صاحب کو اس کا کچھ خوف نہیں کیونکہ مذاق فلسفی میں اس نار کا تو وجود ہی نہیں پھر اس سے خوف کیا ہے۔

ازالۃ الاوهام میں لکھتے ہیں ”أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا“ یعنی کفار کہتے ہیں تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آئیں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دائرہ الا بتلا میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھا دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لیجائے۔

مرزا صاحب نے خود غرضی سے اس آیت شریفہ میں اختصار و حذف وغیرہ کیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے ”وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِيَنَا بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ، قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا“ ترجمہ: بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرادے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آ اللہ اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جائے تجھ کو ایک ستھرا گھریا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے چڑھنا جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک لکھا جو پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا۔ انتہی۔ اب اس پوری آیت پڑھنے کے بعد بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے جب تک وہ تدبیر نہ کی جائے جو مرزا صاحب نے کی۔ انہوں

نے اپنی کامیابی کا یہ طریقہ نکالا کہ جو جملے اپنے مدعا کے مخالف ہوں ان کو نکال دور کر کے چند متفرق الفاظ اکٹھے کئے اور کہہ دیا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا ثابت ہے۔ دیکھ لیجئے تمام آیت میں سے اُو تَرْقٰی کا جملہ لے لیا اور لَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيْكَ کو حذف کر کے قل سبحان کے جملہ کے ساتھ اس کی جوڑ لگا دی تاکہ اس ترک و حذف سے اصل مضمون خبط ہو کر نیا مضمون پیدا ہو جائے، چونکہ مرزا صاحب کو یہ ثابت کرنا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے۔ اس لئے انہوں نے کفار کے کل درخواستوں کو چھوڑ دیں کیونکہ ان میں چند چیزیں ایسی بھی ہیں کہ اہل اسلام کے پاس ممکن الوقوع ہیں مثلاً چشمہ کا جاری کرنا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے کر دکھایا تھا اور کھجور اور انگور کا باغ اور ستھری مکان حضرت کیلئے تیار ہو جانا کوئی مشکل بات نہ تھی گو کفار کے پاس یہ چیزیں بھی محال تھیں ان کو خوف ہوا کہ اگر کسی کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے گی تو حضرت کا آسمان پر جانا بھی انہیں نظائر میں سمجھ لیں گے اور مقصود فوت ہو جائے گا۔ اُو تَرْقٰی فِی السَّمٰوٰتِ کے بعد کا جملہ یعنی وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيْكَ حَتّٰی تُنْزَلَ عَلَيْنَا کو اس واسطے حذف کیا کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی درخواست تھی اور ترقی کے جواب میں هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا سے جب یہ استدلال ہو کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جاسکتا تو وہی جواب حَتّٰی تُنْزَلَ عَلَيْنَا کا بھی ہے۔ اس سے بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کتاب بھی نازل نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن شریف برابر نازل ہوتا تھا اور اکثر کفار اس کا اعجاز دیکھ کر منزل من اللہ سمجھتے اور ایمان لاتے تھے۔

ہر چند مرزا صاحب نے تحریف کا الزام اپنے ذمہ لیا مگر اس سے بھی انکا مطلب ثابت نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر کے لئے اتنی ہی آیت فرض کیجئے جس کا ترجمہ انہوں نے استدلال میں پیش کیا ہے یعنی "وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تُنْزَلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کفار نے حضرت سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تو ان کو یہ جواب ملا کہ میں تو ایک بشر ہوں یعنی خدا

نہیں کہ اپنی ذاتی قدرت سے ایسے خوارق عادات ظاہر کروں اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اگر کسی جسم کو آسمان پر لے جائے تو اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ رہا یہ کہ عادت نہیں تو جتنے معجزات ظہور میں آئے تھے سب خوارق عادات تھے۔ کوئی کم فہم بھی اس جملہ سے کہ (میں تو ایک بشر رسول ہوں) یہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ عادت نہیں کہ خدا جسم خاکی کو آسمان پر لیجائے اب دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب کی تحریف اور عبارت آرائی نے کیا نفع دیا۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر بیا درفت وازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست
اس بے تکے استدلال سے تو یہ استدلال کسی قدر قریب الفہم ہوگا کہ ان کے جواب میں حضرت نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں کوئی عامی شخص نہیں بلکہ میں بشر رسول ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب معراج جسم خاکی سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جس کی تصدیق صد ہا حدیثیں کر رہی ہیں اور تمامی امت کا اجماع ہے مرزا صاحب کو فلسفہ پر کامل اعتقاد ہونے کی وجہ سے معراج کا انکار کرتے ہیں مگر کوئی مسلمان جس کو خدا کی قدرت پر ایمان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار کو سچے سمجھتا ہے وہ تو ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔

چونکہ مرزا صاحب کو نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو گھٹانے کی یہاں ضرورت تھی اس لئے ”هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا“ (سورۃ اسراء-93) کے ترجمہ میں رسول کے لفظ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا کہ (میں بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک آدمی) تاکہ اردو پڑھنے والوں کا خیال رسالت کی طرف منتقل ہی نہ ہو کیونکہ رتبہ رسالت الہی عموماً و فطرۃ معظم و مکرم سمجھا گیا ہے اسی وجہ سے کفار اس رتبہ کے مستحق ملائکہ کو سمجھتے تھے چنانچہ ان کا قول کما قال تعالیٰ ”لَوْ لَا أَنْزَلْ عَلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا“ (فرقان-7) اور صرف بشر کی وجہ سے ”إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا“ (ابراہیم-10) کہہ کر انبیاء کی رسالت میں کلام

کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے خیال کیا کہ اگر لفظ رسول ترجمہ میں شریک کیا جائے تو مبادا کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ حضرت کو جب رسالت کی قوت اعجازی دی گئی تھی تو ممکن ہے کہ آسمان پر جانے کی قدرت بھی ہو اسی وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو ترجمہ میں ترک ہی کر دیا۔

مرزا صاحب نے آیت موصوفہ میں سبحان ربی کی توجیہ یہ کی کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالابتلا میں ایسے کھلے کھلے نشانیاں دکھلائے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ کھلے کھلے قدرت کی نشانیاں دکھانا خدائے تعالیٰ کی نسبت ایک ایسا سخت عیب ہے جس سے تنزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی یہ قدرت نمایاں عیب ٹھہرائی گئی ہیں یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ جس میں کوئی کمال ہو اس کا ظاہر کرنا کمال مستحسن سمجھا جاتا ہے، پھر خدائے تعالیٰ کی قدرت جو غایت درجہ کا کمال ہے اس کا اظہار کس وجہ سے نقص اور عیب ہوگا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عیب نعوذ باللہ حق تعالیٰ پر جو لگایا گیا ہے اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ اس سے مرزا صاحب کی عیسویت کو صدمہ پہنچتا ہے اس لئے کہ اگر جسم خاکی آسمان پر جاسکے تو عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت ہو جاتی ہے، پھر مرزا صاحب کو کون پوچھے۔ غرض سبحان ربی سے یہ مطلب نکالنا صرف تحریف ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب سوال کوئی بے موقع اور بدنما ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ لفظ بطور تعجب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث شریف سے بھی ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غَسْلِهَا مِنَ الْحَيْضِ فَأَمَرَهَا كَيْفَ؟ تَغْتَسِلُ قَالَ خَذِي فُرْصَةً مِنْ مِسْكِ فَتُطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ؟ أَطَهِّرُ لَا قَالَ تُطَهَّرِي بِهَا قَالَتْ كَيْفَ؟ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ تُطَهَّرِي فَاجْتَبَدْتُهَا إِلَيَّ فَقُلْتُ تَتَّبِعِي أَثَرِ الدِّمِ“ (صحیح البخاری، کتاب الحيض، باب ذلك المرأة إذا تطهر من الحيض و كيف تغتسل و تأخذه فرصة)، ترجمہ یعنی ایک عورت نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حیض کا غسل کس طرح کیا جائے۔

فرمایا کہ ایک کپڑے کے ٹکڑے میں مشک لگا کر اس سے پاک کر۔ کہا کیسے پاک کروں۔ فرمایا پاک کر پھر اس نے پوچھا کیسا فرمایا سبحان اللہ پاک کر۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر تدبیر بتلا دی۔ اب دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس بے موقع سوال کے جواب میں بطور تعجب یہ لفظ فرمایا اسی طرح کفار کے ان بے موقع اور مہمل سوالوں کے جواب میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہ سوال بے موقع اس وجہ سے تھے کہ حضرت نے یہ دعویٰ کب کیا تھا کہ اپنی خود مختاری سے تمام خوارق عادات ظاہر فرما دیں گے، حضرت تو ہمیشہ اپنی عبودیت کے معترف تھے۔ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت اور تعالیٰ ثابت کرنے کیلئے کیا کیا دقتیں پیش آرہی ہیں کبھی تمام علمائے اسلام کو مشرک بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور حق تعالیٰ پر عیب لگانے کی احتجاج نعوذ باللہ ذلک۔

اس تقریر سے ایک اور امر مستفاد ہے کہ مرزا صاحب معجزات کے بھی قائل نہیں۔ اس لئے کہ معجزات تو وہی ہوتے ہیں جو قدرت الہیہ کی نشانیاں ہوں اور قدرت بشری سے خارج ہوں پھر جب ایسی نشانیوں کا اظہار عیب اور خدائے تعالیٰ کو اس سے منزہ سمجھنے کی ضرورت ہو تو ممکن نہیں کہ ان کا وقوع ہو سکے۔ اس صورت میں بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث جو معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء سے بھری ہوئی ہیں نعوذ باللہ سب کو جھوٹی سمجھنا پڑے گا بلکہ خود قرآن کریم میں بھی جو معجزات اور خوارق عادات مذکور ہیں وہ بھی بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوں گے۔ ہر چند مرزا صاحب اپنے کو ہم خیال معتزلہ کا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ضروۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں معتزلہ وغیرہ کے قول کو مسیح کے وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں مگر معجزات کے انکار سے ظاہر ہے کہ مذاق فلسفی میں سرسید صاحب کے بھی ہم خیال ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ انہوں نے جس قدر دینی مسائل میں تفرقہ اندازی کی مقصود اس سے بظاہر مسلمانوں کی دنیوی خیر خواہی تھی اور مرزا

صاحب کو اس سے بھی کچھ کام نہیں چاہے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں مگر ان کی مجددیت امامت مہدویت عیسویت وغیرہ جم جائے تو بس ہے۔ ازالۃ الاوهام میں لکھتے ہیں کہ اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمد جلالی نامی ہے اور احمد جمالی اور احمد عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کے رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کے طرف یہ اشارہ ہے۔ ”مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ (الصف-6) مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں۔ یعنی جامع جلال و جمال ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی قدرت بیان کر کے اپنا الہام بیان کیا۔ ”وَجَعَلْنَاكَ مَسِيحَ ابْنِ مَرْيَمَ“ اس کے بعد لکھا کہ جو عام طور پر مشائخ و علماء ہیں ان میں موت روحانی پھیل گئی اس کے بعد لکھا کہ اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیش گوئی موجود ہے۔ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس کی مدت ٹھہرائی ہے بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت ”وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ لَفَاقِدُونَ“ جس کے بحساب جمل 1274 عدد ہیں اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی بشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عدد میں بحساب جمل پائی جاتی ہے۔

جس آیت کو مرزا صاحب نے ذکر کیا وہ یہ ہے ”وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ ترجمہ جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچانے والا، تصدیق کرنے والا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔ مرزا صاحب آپ اور عیسیٰ جمالی بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے

مصدق ہونے سے خارج کر رہے ہیں مگر ان کو ضروری تھا کہ پہلے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کر دیتے کہ عیسیٰ اور احمد جمالی نام ہیں اور محمد جلالی اس کے بعد یہ ثابت کرنے کی بھی ضرورت تھی کہ جمالی نام والے کی پیش گوئی جمالی نام والے کے واسطے ہونا ضروری ہے اس میں جلالی نام والا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کی خود سری بھی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔ احادیث کی وقعت تو ان کے پاس اتنی بھی نہیں جتنی صدیق حسن خان صاحب کے قول کی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، رہا کلام اللہ اس کی حالت بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس رسول کی بشارت دی جس کا نام احمد ہے اور وہ کہتے ہیں نہیں وہ غلام احمد قادیانی کی بشارت ہے۔ کیونکہ وہ لکھتے ہیں لیکن آخری زمانہ میں بر طبق پیش گوئی احمد بھیجا گیا پھر ایک الہام کا جوڑ لگا کر کہ (وَجَعَلْنَاكَ مَسِيحَ ابْنِ مَرْيَمَ)

لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن کریم میں پیش گوئی موجود ہے یعنی آیت شریفہ ”وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ اپنے آنے کی پیش گوئی ہے اس لئے کہ الہام سے آپ مسیح ابن مریم ہیں، اور احمد عیسیٰ جمالی معنی کے رو سے ایک ہی ہیں تو جو احمد کی پیش گوئی ہے وہی عیسیٰ کی پیش گوئی ہوئی۔ اس سے حاصل مطلب صاف ظاہر ہے کہ ”رَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ سے مراد غلام احمد ہے جو عیسیٰ ابن مریم بھی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں۔

قولہ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں۔ یعنی اگر حضرت کا نام صرف احمد ہی ہوتا تو ممکن تھا کہ اس پیش گوئی سے کچھ حصہ مل جاتا کیونکہ آخر خود بھی تو احمد ہیں اور جب حضرت کا نام صرف احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہے تو آپ بالکل اس سے بے تعلق ہیں اس لئے کہ جلال و جمال سے مرکب ہونے کی وجہ سے خالص جمال نہ رہا جو عیسیٰ میں تھا اور پیش گوئی اسی وقت صادق آئے گی کہ عیسیٰ کی حقیقت بھی اندر موجود ہو جیسا کہ لکھتے ہیں بر طبق پیش گوئی مجرّد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔

اس تحقیق سے ایک قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کسی کی نسبت پیش گوئی کرتے ہیں تو ان کی حقیقت اس میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ عیسیٰ کی حقیقت مرزا صاحب میں۔ بے احادیث صحیحہ سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کل انبیاء نے دجال کی پیشن گوئی کی ہے اس قاعدہ کے رو سے مرزا صاحب کے اعتقاد میں یہ بات ضرور ہوگی کہ کل انبیاء کی حقیقت اس دجال میں ہے جس کے قتل کرنے کیلئے مرزا صاحب آئے ہیں مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب مرزا صاحب کو افضل کہنا چاہئے یا پادریوں کو کیونکہ مرزا صاحب میں تو صرف حقیقت عیسوی ہے اور پادریوں میں بحسب قاعدہ مذکورہ تمام انبیاء کی حقیقت ہے۔

تو لہ اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرف یہ اشارہ ہے ”وَمُبَشِّرًا بِرَّ سُؤْلِ يَّاتِي مِنْ بَعْدِي اِسْمُهُ اَحْمَدُ“ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے آنے والوں کا نام احمد ہو وہ غلام احمد ہو۔

یا احمد بیگ یا احمد خان سب مثیل عیسیٰ ہوں گے یا ان میں کوئی ماہہ الامتیاز بھی ہے اگر بالکل تعیم کی جائے تو مرزا صاحب کی شیخی باقی نہیں رہتی اور اس تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں جس سے مرزا صاحب ہی داخل ہوں لیکن جب ہم آیت شریفہ کو دیکھتے ہیں تو وہ بزبان فصیح کہہ رہی ہے کہ وہ خاص رسول ہے جس کا متبرک نام احمد ہے نہ ان میں کوئی غلام ہے نہ بیگ نہ خان اس کے بعد مرزا صاحب کا اس غرض سے کہ خود بھی شریک ہو جائیں یہ کہنا کہ آنے والے کا نام احمد رکھا گیا ہے غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے ہر چند مرزا صاحب نے اس میں آنکھ بچا کر داخل ہونے کی یہ تدبیر نکالی کہ لفظ رسول کو چھوڑ کر صرف آنے والے کا نام احمد ہے لکھ دیا تاکہ لوگ رسالت کے دعوے سے چونک نہ جائیں مگر سمجھنے والے سمجھ ہی جاتے ہیں۔

چشمِ مخمور تو دار و زدم قصدِ جگر ترکِ مست است مگر میلِ کبابِ دارد
اگر یہ کہتے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے اور میں وہی ہوں تو ہر طرف سے
دار و گیر شروع ہو جاتی مگر داخل ہونے کے بعد چپ نہ رہ سکے دبی آواز میں رسالت کا دعویٰ
بھی کر ہی دیا چنانچہ اسی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں آخری زمانہ میں بھیجا گیا تاکہ اس
آیت شریفہ کا پورا مصداق بن جائیں اور ”رَسُولٌ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ
أَحْمَدُ“ (الصّف-6) میں کوئی کسر نہ رہ جائے یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ ”وَ
أَرْسَلْنَا الرِّيَّاحَ“ (الحجر-22) اور ”إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ“ (مریم-83) وغیرہ بھی
فرمایا ہے جب ہوائیں اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ بھیجا کرتا ہے تو اگر مرزا صاحب نے اپنے کو بھیجا
گیا ہوں کہا تو کونسی بری بات ہوگئی اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع ہر چیز کو خاص کام کیلئے حق
تعالیٰ بھیجا کرتا ہے مثلاً ہواؤں کو پانی برسانے کیلئے۔ اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہئے کہ کس
کام کیلئے بھیجے گئے ہیں وہ ایک جلیل القدر شخص ہیں اس واسطے تو نہیں بھیجے گئے ہوں گے کہ
زراعت وغیرہ میں لگائے جائیں کیونکہ انہوں نے زمین داری چھوڑ کر علمی خدمت اختیار کی
ہے جس سے ہدایت یا ضلالت متعلق ہے اگر ”إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ“ (مریم-83) کے
مد میں داخل ہیں تو ممکن ہے کیونکہ شیاطین کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی گئی قیامت تک گمراہ
کرنے والے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے مگر مرزا صاحب اس کو قبول نہ کریں گے اور
یہی فرمائیں گے کہ میں ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں جس سے مقصود یہ کہ رسولوں کے زمرہ میں
شریک ہوں تو یہ بات اہل اسلام ہرگز قبول نہیں کر سکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کیلئے تمام مدعیوں کو مایوس کر دیا۔ غرض میں بھیجا گیا
ہوں کہنا ان کا سوائے دعوائے رسالت کے اور کوئی بات نہیں اور یہ دعوائے بمقتضائے مقام ان
کو لازم بھی تھا اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت شریفہ کے مصداق نہ
ہوئے تو بقول مرزا صاحب ضروری ہوا کہ وہ اس کے مصداق بنیں ورنہ خبر قرآنی خلاف واقع

ہو جاتی تھی اور وہ خود کہتے بھی ہیں ”رَسُولٌ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ“ (الصف-6) سے اپنی طرف اشارہ ہے۔ غرض اس تقریر سے اور نیز بعض الہامات سے جس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے مثلاً ”إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا“ (الاعراف-158) سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو دعویٰ رسالت ضروری ہے۔

اب ہم یہاں نہایت تھنڈے دل سے گزارش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مدعی رسالت ہیں اور جو مدعی رسالت ہو وہ دجال ہے۔ صغرا کا ثبوت ابھی معلوم ہوا اور کبریٰ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہے ”قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَالُونٌ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ“ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام)، رواہ احمد و البخاری و مسلم ابوداؤد و الترمذی عن ابی ہریرۃ کذا فی کنز العمال۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک جھوٹے دجال قریب تیس کے نہ نکلیں گے سب کا دعویٰ یہی ہوگا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

شکل اول سے یہ نتیجہ نکلا کہ غلام احمد قادیانی دجال ہے تو پہلے ہی ایسا نام رکھا گیا کہ وہ مادہ تاریخ اس خدمت کا بن سکے یعنی مسمائے غلام احمد قادیانی بشکل اول دجال ہو تو ان کے نام نامی سے مادہ تاریخ اس خدمت کی نکل آنا ایک مناسبت کے ساتھ ہوگا بخلاف اس کے کہ اس عدد سے عیسویت ثابت کی جائے جیسا کہ مرزا صاحب نے کی ہے اب مرزا صاحب جو ازالۃ الاوہام میں لکھے ہیں کہ (گورنمنٹ انگریزی دجال ہے) سو اس سے کیا فائدہ۔ قولہ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس مدت ٹھہرائی الخ پہلے اس آیت کے بتلانے کی ضرورت تھی کہ چودہ سو برس تک مسیح کبھی نہ کبھی نکل آئے گا اور اگر حساب جمل سے نکل آنے کا نام قرار دیا مدت ہے تو جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان کے اعداد نکال کر دیکھ لیجئے کہ چودہ سو برس پر انحصار نہیں ہو سکتا پہلے سب سے زیادہ مستحق اعداد نکالنے کیلئے وہ

آیت ہے جس میں حقیقت عیسیٰ یعنی احمد آنے کا ذکر ہے، یعنی آیت وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف-6)۔ مگر اس میں سولہ سو نکلتے ہیں چونکہ اس میں بہت سے تخریج کی ضرورت ہے اس لئے مرزا صاحب اپنے کام میں اس کو نہ لاسکے جب ان کو اس مضمون کی کوئی آیت نہ ملی جس میں عیسیٰ یا احمد کا ذکر ہو تو بہ مجبوری یہ آیت اختیار کی ”وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَفَادِرُونَ“ (المؤمنون-18)، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے لیجانے پر قادر ہیں اب یہ نہیں معلوم کہ کس کے لے جانے پر قادر ہیں کیونکہ آیت تو پوری ذکر ہی نہیں کی جس سے ضمیر کا مرجع معلوم ہو اس لئے کہ اس کے اعداد بہت بڑھ جاتے ہیں اس الہام کو انہوں نے اس طرح اٹھایا کہ اس میں اسلامی چاند کے سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ ہے جس سے ہر شخص سمجھ جائے کہ ضمیر چاند کی طرف پھرتی ہے اور چاند جانے سے سلخ ہو جاتا ہے مگر پوری آیت جو دیکھی گئی تو اس میں چاند کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ ہم آسمان سے اندازہ کا پانی برسا کر اس کو زمین میں رکھتے ہیں پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہم اس کو بھی لیجانے پر قادر ہیں کما قال تعالیٰ ”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً أَبْقَدِرٍ فَأَسْكَنَّا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَفَادِرُونَ“ (المؤمنون-18)۔ اس صورت میں مرزا صاحب نے 1274 کے عدد کی آیت جو اس غرض سے نکالی تھی کہ اپنے ظہور کے پیشتر اسلام کا چاند ڈوب جائے گا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی تحریف کی ضرورت پڑی کیونکہ ہمیں ضمیر کو چاند کی طرف پھیر دی جس کا ذکر ہی نہیں تا کہ جہال اعتبار کر کے سمجھ لیں شاید اوپر اس کا ذکر ہوگا پھر غلام احمد قادیانی سے یہ نکالا کہ تیرہ سو برس میں عیسیٰ نکلے گا اب دیکھئے کہ اس سلسلہ تقریر کی ابتدا یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہے اس میں یہ تحریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آتی پھر یہ بات بتائی کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ چودہ سو برس تک عیسیٰ نکلے گا پھر اس بات کے ثابت کرنے کیلئے کہ عیسیٰ تیرہ سو برس میں نکل پڑا ایک آیت پیش کی کہ قرآن سے ثابت ہے کہ 1274 میں

اسلام کا چاند غروب کرے گا حالانکہ نہ اس میں چاند کا ذکر ہے نہ 1274 کا پھر اپنے نام کے مجرد اعداد 1300 سے یہ مطلب نکالا کہ عیسیٰ کے نکلنے کا سنہ یہی ہے معلوم نہیں کہ اس سنہ کے ساتھ عیسیٰ کو کیا مناسبت پہلے کوئی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ 1300 میں نکلے گا اس کے بعد اگر یہ نام کے اعداد لکھے جاتے تو ایک شاعرانہ مضمون کی دلیل بن سکتی اس تقریر سے تو وہ بھی نہ بنی۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ ایجاد کیا ہے کچھ کمی و زیادتی کر کے آیت یا حدیث کو اپنے مطلب کی تائید میں لے لیتے ہیں یہ طریقہ کوئی قابل تحسین نہیں۔ اکثر آزاد غیر متدین بھی کام کیا کرتے ہیں مرزا صاحب ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں اور یہ الہام (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قَرِيبًا مِنَ الْقَادِيَانِ وَ بِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَّلَ وَ كَانَ وَعْدُ اللَّهِ مَفْعُولًا) جو براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے بصراحت اور آواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں ہمہ پیش گوئی ضرور موجود ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر آواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قَرِيبًا مِنَ الْقَادِيَانِ) تو میں نے سن کر بہت تعجب سے کہا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے تب انہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہوا ہے۔ تب میں نے نظر جو ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن کریم کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ مدینہ قادیان مرزا صاحب کے دعوے عیسویت پر جب یہ اعتراض ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے تو انہوں نے خود یہ سوال کر کے اس کا جواب دیا کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ امام

حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کے نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا ہم رنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں کلام نہیں ہوگا اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت اور سچی مشابہت سے تنبیہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ کہا گیا تا کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آجائے جس میں لخت جگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کے طرح کمال درجہ کے ظلم اور جو روجہا کے راہ سے دمشق اشقیاء کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدائے تعالیٰ اس دمشق کو جس سے ایسے ظلم پر احکام نکلتے تھے اور جس سے ایسے سنگدل اور سیاہ درون لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے تشابہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی ہی میں آتے رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ لعنت کی جگہ کو برکت کے مکانات بناتا رہتا ہے۔ اس استعارہ کو خدائے تعالیٰ نے اس لئے اختیار کیا کہ پڑھنے والے دو فائدہ اس سے حاصل کریں ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیش گوئی اشارہ کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی اس کی عظمت اور وقعت دلوں پر کھل جائے دوسرا یہ کہ تاریخی طور پر معلوم کر جائیں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کے کام انہوں نے کئے ایسا ہی جو مسیح آنے والا ہے دراصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کے روحانی حالت کا مثیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے کہ جس کے دل میں حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہئے ہر ایک شخص اس دمشق خصوصیت کو جو ہم نے بیان کی ہے کمال انشراح صدر سے ضرور قبول کر لیگا اور نہ صرف قبول بلکہ اس مضمون پر نظر امعان کرنے سے حق یقین تک پہنچ جائے گا۔

اس تقریر میں مرزا صاحب نے کئی امور ثابت کئے ہیں۔

(1) قرآن شریف میں قادیان کا نام موجود ہے۔

(2) قادیان و دمشق میں مشابہت معنوی ہے۔

(3) حدیث شریف میں قادیان بلفظ دمشق بیان کیا گیا۔
(4) دمشق کے لوگ ظالم ہونے کی وجہ سے قادیان میں برکت پھیلی اور عدل کا ہیڈ کوارٹر ہوا۔

(5) عیسیٰ علیہ السلام کے دمشق میں اترنے کی پیش گوئی جو حدیث شریف میں ہے لفظ دمشق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا اشارہ ہے۔
(6) یہ بات یقینی طور سے معلوم ہوگئی کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔

قرآن میں قادیان کا نام تلاش کرنے کی ضرورت مرزا صاحب کو اس وجہ سے ہوئی کہ ”انا انزلناہ قریبا من القادیان“ کا الہام ہوا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور آواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔

اس سے ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ الہام میں جس چیز کا نام ہو وہ نام قرآن میں ضرور ہوا کرتا ہے اگر صرف یہی ایک آیت ”انا انزلناہ قریبا من القادیان“ قرآن میں بڑھادی جاتی تو چنداں فکر کی بات نہ تھی یہ ایک مصیبت تھی کسی طرح نمٹ لی جاتی مگر اس قاعدہ نے تو کمر ہی توڑ دیا کہ جو چیز الہام میں ہو وہ قرآن میں بھی ہوگی۔ مرزا صاحب کے الہاموں کا سلسلہ ایک مدت دراز سے جاری ہے اور ابھی اس کے ختم ہونے کی توقع بھی نہیں بلکہ زیادتی ہی کا اندیشہ ہے اس لئے کہ جس قدر پختگی بڑھتی جائے گی الہاموں کی آمد زیادہ ہوگی اور اگلے پچھلے الہاموں کی آیتیں بڑھتی جائیں گی جس سے بجائے خود ایک دوسرا قرآن تیار ہو جائے گا۔ قادیان والی آیت ایک عالم کو برہم کر رہی ہے جب وہ پوٹ کا پوٹ نیا قرآن نکلے گا تو معلوم نہیں کیسی قیامت برپا کرے گا۔

روز اول کہ سر زلف تو دیدم گفتم کہ پریشانی این سلسلہ را آخرت نیست
اس الہام میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ انا انزلناہ کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے اگر قرآن

کی طرف ہے تو چند ان مضائقہ نہیں اس لئے کہ جو قرآن قادیان میں اترتا ہے اس میں قادیان کا نام بے موقع نہ ہوگا مگر مرزا صاحب کا اس پر راضی ہونا دشوار ہے وہ تو یہی فرمادیں گے کہ اگر جعلی قرآن میں بھائی صاحب نے یہ آیت بڑھادی تو لطف ہی کیا رہا۔ عظمت و شان قادیان تو جب ہوگی کہ قرآن قدیم میں یہ آیت بڑھے اسی وجہ سے یہ لکھتے ہیں کہ قادیان کا نام اعزاز کے ساتھ مثل مکہ و مدینہ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے اور انزلناہ کی ضمیر مسیح وغیرہ کی طرف پھر نہیں سکتی اس لئے کہ اس کا ذکر پہلے نہیں جو شرط ضمیر غائب ہے اور اگر یہی مطلب ہوتا تو مثل دوسرے الہاموں کے انزلناک بصیغہ خطاب ہوتا یا مرزا صاحب خود کہہ دیتے کہ انا انزلناہ کی ضمیر میری طرف پھرتی ہے اور جہاں قرآن شریف میں انا انزلناہ اور بالحق انا انزلناہ و بالحق نزل وارد ہے، قرآن شریف کی طرف ضمیر پھرتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انا انزلناہ کی ضمیر قرآن ہی کی طرف پھرتی ہے مگر جب واقعہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن قریب قادیان نہیں اتارا گیا اور ہم مرزا صاحب پر بھی جھوٹ کا الزام نہیں لگا سکتے کہ بغیر الہام ہونے کے کہہ دیا کہ مجھ پر یہ الہام ہوا اب سخت دشواری یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سچے کہیں تو قرآن کا قادیان میں اترنا واقع کے خلاف ہے اور اگر واقعہ کا لحاظ کریں تو مرزا صاحب جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ مگر تطبیق و توفیق کی ضرورت نے ہمیں ایک ایسا کھلا راستہ دکھلایا کہ ہم اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے وہ یہ کہ انا انزلناہ کا کہنے والا کوئی دوسرا ہی ہے جس کی تصدیق خود مرزا صاحب ہر جگہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں جب کہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ و مرد و فرد کو شیطانی الہام ہوا تو دوسرے عامۃ الناس اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ ان کو الہام ضرور ہوا اور قرآن شریف کا قادیان میں اترنا بھی نہیں لازم آتا البتہ صرف اتنی جرأت کی ضرورت ہے کہ وہ الہام شیطانی مان لیا جائے اور یہ چند ان بد نما بھی نہیں اس لئے کہ جب ہم خلاف واقع اور جھوٹ کے مقابلہ میں اس کو لا کر دیکھتے ہیں

توبصداق من اتبلى بلبتين فيختارا هونهما کے اس کو الہام شیطانی سمجھنا مرزا صاحب کو بھی مفید ہے اس لئے کہ جھوٹا رسول ہرگز نہیں ہو سکتا جس کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے اور نہ مجدد و امام زمان کی یہ شان ہے کہ خلاف واقعہ یا جھوٹ کوئی خبر دے رہا الہام شیطانی سو بقول مرزا صاحب بڑے بڑے لوگوں کو ہو چکا ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اس صورت میں مرزا صاحب اپنی ذات سے بری الذمہ ہو جائیں گے کہ جو کچھ انہوں نے واقعہ میں دیکھا کہہ دیا اس سے کیا بحث کہ دکھانے والا کون تھا وہ فعل مرزا صاحب کا نہیں جو اس کے ذمہ دار ہوں بلکہ دکھانے والا قابل مواخذہ ہوگا ہر چند وہ اپنی برأت ظاہر کرے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”كَمْثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلنَّاسِ اٰكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرُوْا قَالَ اِنِّىْ بِرِئٰى مِّنْكَ اِنِّىْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ“ (الحشر-16)۔ مگر مواخذہ سے وہ بری نہیں ہو سکتا جیسا کہ اسی آیت شریفہ کے آخر میں ہے ”فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنَّهُمَا فِى النَّارِ“ (الحشر-17)۔ البتہ ایک الزام مرزا صاحب کے ذمہ عائد ہوگا کہ انہوں نے الہام شیطانی اور رحمانی میں فرق نہ کیا مگر اہل دانش اس باب میں بھی ان کو معذور رکھ سکتے ہیں کہ الہام ایک کیفیت وجدانی کا نام ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے میں احساس کرتا ہے یہ کیا معلوم وہ کہاں سے آئی جب شیطان الہام کرنے پر قادر ہے تو وہ ایسا بے وقوف نہیں کہ اپنا نام اس الہام کے وقت بتا کر خبردار کر دے جس سے اس کا مقصود فوت ہو جائے۔ غرض اس الہام کو شیطانی کہیں تو مرزا صاحب کے ذمہ اس کا قصور عائد نہیں ہو سکتا مگر مرزا صاحب کو یہ فرمانا سزاوار نہیں کہ قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے مرزا صاحب کو اپنے الہام و مکاشفہ پر کس قدر وثوق ہے جو لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور باواز بلند کہہ رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔ چنانچہ اوپر معلوم ہوا۔ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اپنے مکاشفہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاشفہ سے کس قدر

بڑھا رہے ہیں اور کس قدر اپنی فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس باب میں بیان کر رہے ہیں مگر آخری زمانہ کے مسلمانوں کو اس کی کیا پروا۔ وہ لکھتے ہیں کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت معنوی ہے اس لئے کہ امام حسین اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعے نہایت ہم رنگ ہیں مطلب اس کا یہ ہوا کہ قادیان مشبہ اور دمشق مشبہ ہے اور وجہ شبہہ مظلومیت کا مقام ہونا۔ مرزا صاحب کو ضروری تھا کہ دونوں واقعوں کی ہم رنگی پہلے ثابت کرتے کیونکہ قرآن کریم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ مارے گئے نہ سولی پر چڑھائے گئے بلکہ نہایت عظمت و شان کے ساتھ شاداں و فراحاں آسمان پر چلے گئے، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَقَوْلُهُ تَعَالَىٰ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ (النساء۔ 157) اور اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام بحالت مظلومی سولی پر چڑھائے بھی گئے جیسے مرزا صاحب کہتے ہیں تو پہلے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر قادیان میں ظلم ہوا تھا تا کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت ثابت ہو جو مقصود اس تقریر سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جاتا کہ امام حسین علیہ السلام دمشق میں مظلوم شہید ہوئے کیونکہ ان دونوں شہروں میں جو مشابہت بیان کی جا رہی ہے اس میں وجہ شبہہ یہی ہے کہ دونوں مظلومیت کے مقام ہیں اور اگر وجہ شبہہ یہ ہے کہ اجرائے احکام ظلم کے مقام ہیں تو یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے احکام قادیان سے جاری ہوئے تھے جیسے دمشق سے امام حسین پر ظلم کرنے کے احکام جاری ہوئے اور یہ دونوں امر خلاف واقع ہیں یعنی نہ دمشق میں امام حسین پر ظلم ہوا نہ قادیان میں عیسیٰ علیہ السلام پر پھر ان دونوں واقعوں کے ہم رنگ ہونے سے قادیان و دمشق میں مشابہت کہاں سے آگئی کیونکہ وجہ شبہہ طرفین میں موجود نہیں حالانکہ مشابہت کیلئے اس کا طرفین میں موجود ہونا ضروری ہے۔

پھر مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ لفظ دمشق بطور استعارہ قادیان پر استعمال کیا گیا اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے ”اذبعث الله المسيح ابن مريم فينزل عند المنارة البيضاء

شرقی دمشق“ یعنی عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے شرقی جانب منارہ کے پاس اتریں گے مقصود ان کا یہ ہے کہ دمشق سے مراد قادیان ہے عموماً اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ استعارہ ایک قسم کا مجاز ہے اس لئے کہ اس میں بھی لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل نہیں ہوتا اس وجہ سے وہاں ایسے قرینہ کی ضرورت ہے کہ معنی موضوع لہ مراد نہ ہونے کو صراحۃً بتلا دے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ شیر کو دیکھا ہوگا، یہ کوئی نہ سمجھے گا کہ کسی جوان مرد آدمی کو اس نے دیکھا ہے جب تک کوئی قرینہ اس پر قائم نہ کیا جائے اور اگر یوں کہے میں نے ایک شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا تو اس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اس نے شیر کو دیکھا نہیں بلکہ کسی جوان مرد آدمی کو دیکھا ہے کیونکہ تیر چلانا اس امر پر قرینہ ہے کہ شیر کے حقیقی معنی مراد نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک قرینہ قائم نہ ہو معنی حقیقی متروک نہیں ہو سکتے اب دیکھئے کہ اگر اس حدیث شریف میں دمشق کے حقیقی معنی متروک ہوتے اور قادیان اس سے مراد ہوتا تو اس پر کوئی قرینہ ضرور ہوتا حالانکہ کوئی قرینہ نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے اور قادیان اس سے مراد سمجھنا محض غلط ہے۔

اور نیز علم بیان میں مصرح ہے کہ استعارہ اعلام میں جائز نہیں مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور اس سے یہ مراد لی کہ دہلی یا لکھنؤ میں داخل ہوا تو ہرگز صحیح نہیں اسی طرح دمشق سے قادیان مراد لینا صحیح نہیں شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ سنی کو حاتم کہنا صحیح ہے حالانکہ حاتم بھی ایک شخص کا نام تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حاتم سخاوت میں ایسا مشہور ہے کہ شخصی معنی کے طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ حاتم کہنا اور جواد کہنا برابر ہے۔

اس وجہ سے گویا علمی معنی اس کے متروک ہو گئے چنانچہ تمام کتب فن میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ دمشق میں یہ بات صادق نہیں آتی جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا بیان فرمایا اس وقت یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محل اجرائے احکام ظلم ہے بلکہ برعکس اس کے مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ نہایت عمدہ اور برگزیدہ مقام تھا

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فضیلت اس کی بیان فرمائی تھی، چنانچہ صحیح روایتوں میں وارد ہے کہ شام اللہ تعالیٰ کے پاس تمام شہروں میں برگزیدہ اور پسندیدہ مقام اور خدائے تعالیٰ کے بہترین عباد کے رہنے کی جگہ ہے اور خاص دمشق کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ شام کے تمام شہروں میں دمشق بہتر ہے۔ اب غور کیا جائے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دمشق کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ اور تمام امت میں اس کی عمدگی مشہور ہوگی یا بقول مرزا صاحب اس کی خرابی کہ وہاں کے لوگ بدترین خلق ہیں اگر چند روز یزید نے ظلم کے احکام جاری کئے تو اس سے دمشق کی ذاتی فضیلت کو کیا نقصان جیسے ابو جہل وغیرہ سے مکہ معظمہ کی عظمت میں کوئی نقص نہ آیا یہ تو قاعدہ ہے کہ جہاں اچھے لوگ بکثرت ہوتے ہیں چند برے بھی ہوتے ہیں بڑی حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دمشق کو اچھا اور اس میں رہنے والوں کی تعریفیں فرمادیں اور مرزا صاحب برخلاف اس کے یہ کہتے ہیں کہ وہ برا اور اس میں رہنے والے نہایت برے ہیں یہ کیسی بے باکی ہے کہ امتی ہونے کا دعویٰ اور اس پر یہ مخالفت نعوذ باللہ من ذلک۔ اب دیکھئے کہ نہ دمشق میں کوئی ذاتی برائی ہے نہ باعتبار واقعہ کے اس میں کوئی برائی آئی نہ قادیان و دمشق میں کسی بات میں مشابہت ہے نہ استعارہ دمشق کا علم ہونے کی وجہ سے صحیح ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب زبردستی نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث کو جھوٹی بنانے کی فکر میں ہیں کہتے ہیں کہ نہ عیسیٰ اتریں گے نہ دمشق ان کے اترنے کی جگہ ہے اگر عیسیٰ ہوں تو میں ہوں اور اگر ان کے اترنے کی جگہ ہے تو قادیان ہے یہاں مجنوں کی حکایت یاد آتی ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ خلافت امام حسین کا حق تھا یا یزید کا اس نے کہا کہ نہ ان کا حق تھا نہ اس کا میری لیلیٰ کا حق تھا، مرزا صاحب بھی چونکہ عیسویت کے عاشق ہیں اس قسم کی بات کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں مگر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے مجنونانہ مضامین کو قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے دمشق کو نشانہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی میں

آتے رہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ قادیان مثیل دمشق ہے یعنی ظالموں کی بستی ہے اور ایسے بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اس لئے خود بدولت قادیان میں عدل پھیلانے کو آئے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں جیسی تو کہا کہ (انبیاء ایسی بستیوں میں آتے رہتے ہیں) اگر ختم نبوت کے قائل ہوتے تو آتے رہتے تھے کہتے جب قادیان کا ظالموں کی بستی ہونا ثابت کر کے کہا کہ ایسی بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں اس میں ایمان و عدل پھیلانے کو آیا ہوں اور نیز لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی احمد بھیجا گیا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا تو اب ان کے دعوے نبوت میں کیا شک ہے۔

مرزا صاحب نبوت کی طمع میں قادیان کے لوگوں کو زبردستی ظالم بنارہے ہیں ہم نے تو نہ کسی سے یہ سنا کہ قادیان ظالموں کی بستی ہے نہ کوئی اس میں ظلم کا ایسا واقعہ کتب تورینخ سے ثابت ہے کہ غیر معمولی طور پر یادگار ہوا البتہ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب پروہاں کے لوگوں نے یورش کی ہوگی مگر وہ بیچارے اس میں معذور ہیں کیونکہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال طمع کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا ان کے علماء و مشائخ زمانہ پر گالیوں اور لعنت کی وہ بوچھاڑ کی کہ الامان جس کو آپ دیکھ چکے ان کی دینی کتابوں کو لکھا کہ شرک سے بھری ہوئی ہیں ان کے اعلیٰ درجہ کے مقتدا یعنی صحابہ اور تابعین و محدثین وغیرہم پر شرک کا الزام لگایا ان کے نبی کی شان میں جوایت وارد ہوئی اس کے مصداق خود بن بیٹھے ان کی کتاب یعنی قرآن شریف میں تحریف کر کے بگاڑنے کا گویا بیڑا اٹھایا۔ نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے ان کے نبی کی ریاست کو جو قیامت تک قائم ہے چھیننا چاہا اس پر بھی اگر وہ لوگ برہم نہ ہوتے تو خدا و رسول کے پاس ان کا نام کس زمرہ میں لکھا جاتا اور ہم چشموں میں ان کی کس درجہ کی بے حرمتی اور بے غیرتی ثابت ہوتی کیسا ہی بے غیرت مسلمان ہو ممکن نہیں کہ اتنی باتیں سن کر اس کی رگ حمیت جوش میں نہ آئے۔ مرزا صاحب اگر گورنمنٹ کی حمایت میں نہ

ہوتے تو دیکھتے کہ قادیان ہی کے لوگ کیا کرتے۔ اب بھی کسی اسلامی سلطنت میں اپنے تصنیفات لے جائیں اور پھر دیکھیں کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کو گورنمنٹ کا بہت شکریہ کرنا چاہئے مگر بجائے شکریہ کے گورنمنٹ کو دجال کہتے ہیں جیسا کہ رسالہ عقائد مرزا مطبوعہ امرتسر میں لکھا ہے اور وہ قادیان کی گورنمنٹ کو ظالم قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کو دمشق کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔ جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جیسے دمشق کی حکومت ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ظلم اور بیداد کے احکام جاری ہوئے قادیان کی حکومت سے بھی ایسا ہی ہوا، ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر دمشق میں ظلم نہیں ہوا جس سے مرزا صاحب کی مظلومیت قادیان میں بطور تشبیہ ثابت ہو۔ لسان شرع شریف سے تو دمشق کی مدح ثابت ہے مگر مرزا صاحب اس کی مذمت اس بناء پر کرتے ہیں کہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس برس بعد ظلم ہوا حالانکہ حضرت نے شہادت کا واقعہ جو بیان فرمایا اس میں اگر دمشق کا نام بھی ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ شہدار الظلم ہوگا برخلاف اس کے خاص طور پر صراحۃً دمشق کی تعریف کی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اگر صرف اس بناء پر کہ کسی زمانہ میں کسی شہر میں ظلم ہوا اور ایسے شہر کا نام لینے سے اس ظلم کی طرف اشارہ ہوتا ہو تو یہ لازم آئے گا کہ جہاں مکہ معظمہ کا نام قرآن وحدیث میں آئے ان تمام اذیتوں کی طرف اشارہ ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بارہ سال تک ہوتی رہیں جن کا حال متعدد احادیث میں موجود ہے۔ اہل اسلام پر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کا صدمہ اس قدر ہونا چاہئے کہ اپنی یا اور کسی کی موت سے ہو چہ جائیکہ اتنی مدت مدیدہ تک پیہم صدمات وتکالیف شاقہ جاری رہے جس سے ہجرت کی نوبت پہنچے اگر ذکر مکہ سے اشارہ ان تمام اذیتوں کی طرف ہو تو وہ شہر مبارک بقول مرزا صاحب معاذ اللہ مبغوض ہونا چاہئے حالانکہ نہ کسی حدیث سے مرزا صاحب اس کا مبغوض ہونا ثابت کر سکیں گے نہ کوئی مسلمان اس کو مبغوض کہہ سکتا ہے کیونکہ چند بد معاشوں کے ظلم وزیادتی سے کوئی

متبرک اور مدوح شہر مغبوض نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب جو دمشق کو مغبوض قرار دے رہے ہیں صرف کار سازی اور خود غرضی ہے۔ مقصود صرف انکایہ ہے کہ عوام الناس کو جو ظاہر میں ہوتے ہیں ایک واقعہ جانکاہ یاد دلا کر اس کی خرابی کی جہت کی طرف متوجہ کر دیں اور ساتھ ہی وہی جہت قادیان میں قائم کر کے دمشق سے مراد قادیان لے لیں جس سے اپنی عیسویت جہلا کے پاس جم جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود صریح فوت ہو جائے اس لئے کہ مقصود اس حدیث شریف سے اسی قدر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے نہ اس کے سیاق و سباق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام ہے نہ دمشق کی خرابی نہ کسی طرف اشارہ ہے اب دیکھئے کہ یہ کیسی کھلی کھلی تحریف ہے۔

مرزا صاحب کو منظور تھا کہ قادیان کو دمشق ثابت کریں اس لئے یہ واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ قادیان کے لوگ یزیدی الطبع ہیں اگر اس کو مکہ بنانا منظور ہوتا تو یہ آیت شریفہ ”اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ“ (ال عمران) پیش کر کے وہی تقریر فرماتے کہ مکہ کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہاں نہایت ظلم ہوا اور قادیان میں ابو جہلی الطبع لوگوں نے اپنے پر ویسا ہی ظلم کیا اس لئے مکہ سے قادیان مراد ہے بمناسبت مردم یزیدی الطبع قادیان دمشق ہو تو مناسبت ابو جہلی الطبع قادیان مکہ بنے کو کیا دیر۔

مرزا صاحب کی غم خواری حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نسبت سلام روستائی سے کم نہیں ان حضرات کو ان امور سے کام ہی کیا۔ وہاں تو علانیہ بے دھڑک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراضات ہوتے ہیں کہ انہوں نے خواہ مخواہ سلطنت میں مداخلت کر کے مخالفت کی جیسا کہ صاحب عصائے موسیٰ نے مدلل لکھا ہے اور خط مولوی نور الدین صاحب جو مرزا صاحب کے اعلیٰ درجہ کے حواریں میں سے ہیں نقل کیا ہے جس کا حاصل مضمون یہ

ہے کہ ”لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ“ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب صلة المرأة أمها وسها زوج)، وارد ہے۔ حضرت امام اس حجر میں کیوں جا گھسے صحابہ کی مشورت کے خلاف کیوں کیا۔

لیجئے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حرکت و مخالفت قابل مواخذہ و اعتراض ٹھہرے تو یہ اظہار خوش اعتقادی غرض آمیز نہیں تو کیا ہے۔ اگر مرزا صاحب کی خوش اعتقادی دلی ہوتی تو ان کے مریدین کو کبھی ایسی تقریروں کی جرأت نہ ہوتی۔

تحریر فرماتے ہیں کہ یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئیگا۔ سبحان اللہ کجا دمشق کجا قادیان پھر طرفہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو یقین بھی آ گیا مرزا صاحب کو یقین ایسے باتوں کا ہوا کرتا ہے لیکن احادیث صحیحہ پر یقین نہیں آتا۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا۔ یہ چند تحریفیں جو مرزا صاحب کی لکھی گئیں مشتبہ نمونہ از خرواری ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحسب فرصت وقت اور بھی لکھی جائیں گی اس وقت اکثر احباب کی یہ رائے ہوئی کہ بالفصل یہ رسالہ ”انوارالحق“ جس قدر لکھا گیا طبع کر دیا جائے تاکہ جس کو توفیق ازلی ہو اس سے بہرہ یاب ہو اس لئے اس حصہ کو میں اس دعاء پر ختم کرتا ہوں کہ الہی بطفیل اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ جو راہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور صحابہ سے آج تک اہل سنت کا اس پر اتفاق و اجماع رہا اس کی پیروی میں مصروف اور نئے نئے دین وائیں و خیالات سے محترز اور محفوظ رہیں آمین۔



فہرست مطبوعات مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ

تالیفات حضرت شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ علیہ الرحمہ بانی جامعہ نظامیہ

- | | | |
|-------|------------------------------|--|
| 50/- | مقاصد الاسلام - حصہ اول اردو | اخلاق، تمدن، فقہ اور کلام پر بحث |
| 40/- | 2 مقاصد الاسلام حصہ دوم | عقل و درایت پر عالمانہ بحث |
| 50/- | 3 مقاصد الاسلام حصہ سوم | انسان کی ترکیب، خلق روح کا حال معرفت الہی پر مدلل بحث |
| 50/- | 4 مقاصد الاسلام حصہ چہارم | تحصیل علوم عربیہ مطابق نصاب نظامیہ پر ایک دلچسپ بحث، فضائل حج |
| 80/- | 5 مقاصد الاسلام حصہ پنجم | تصوف کی تعریف معرفت الہی، سزاجزا حالات جنت و دوزخ پر عقلی بحث |
| 80/- | 6 مقاصد الاسلام حصہ ششم | عبداللہ بن سبا کے حالات - شہادت حضرت عثمانؓ، فضیلت تقویٰ کا بیان |
| 50/- | 7 مقاصد الاسلام حصہ ہفتم | عجائب جسمانی کے طبی حالات، وحی کے اقسام، عشق حقیقی، شریعت کی ضرورت |
| 80/- | 8 مقاصد الاسلام حصہ ہشتم | تفسیر سورہ ناس سے متعلق چند ارشادات و مضامین |
| 50/- | 9 مقاصد الاسلام حصہ نہم | معجزات نبی کریم ﷺ کا بیان |
| 40/- | 10 مقاصد الاسلام حصہ دہم | حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات |
| 50/- | 11 مقاصد الاسلام حصہ یازدہم | ضرورت اتباع صحابہ، فضائل نبی کریم ﷺ |
| 300/- | 12 حقیقۃ الفقہ حصہ اول و دوم | محدثین و فقہاء کے فرائض منہجی، حدیث، فقہ و اجتہاد پر مدلل بحث |
| 400/- | 13 کتاب العقول | عقل کی حقیقت کہاں تک دینی ابواب میں چل سکتی ہے، حکمت قدیمہ و جدیدہ کا بیان |
| 200/- | 14 انوار احمدی | اردو نبی کریم ﷺ کے فضائل |

- 15 انوار الحق اردو مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں 60/-
- 16 الکلام المرفوع اردو حدیث موضوع پر مکمل بحث 50/-
- 17 شمیم الانوار (فارسی کلام منظوم) 20/-
- 18 خلق افعال اردو 20/-
- 19 خدا کی قدرت اردو 20/-
- 20 انوار اللہ الودود اردو 20/-
- 21 افادۃ الانہام حصہ اول و دوم اردو مرزا غلام احمد قادیانی کی ازالۃ الاوہام کا مسکت رد زیر طبع
- 22 انوار التجید اردو مسائل توحید پر مدلل بحث زیر طبع
- 23 نشر المرجان فی رسم نظم قرآن کے رسم خط نظم قرآن و اختلاف قواعد تجوید کا بیان زیر طبع
- 24 روح الایمان فی آیات تشریح القرآن مؤلفہ مولوی فتح الدین از بر خوشبائی زیر طبع
- 25 حیاۃ الانبیاء و ترجمہ انباء الازکیا (مؤلفہ مولوی حفیظ اللہ خاں علیہ الرحمہ 20/-
- آ نحضرت و دیگر انبیاء کی حیات اردو)
- 26 مکارم الحفظ (اردو) از مولوی حفیظ اللہ خاں - حفاظ قرآن کے 20/-
- آداب و فضائل
- 27 السمع الاسمع خطبہ بلفظ (عربی) از مؤلفہ مولوی احمد کرم عباسی چریا کوٹی زیر طبع
- 28 العروة الوثقی (عربی) از مولوی غلام محمد برہان الدین، رویت زیر طبع
- فضائل - رویت آ نحضرت ﷺ
- 29 الوسیلۃ العظمیٰ از مولوی غلام محمد برہان الدین، جواز قیام وقت ذکر زیر طبع
- میلاد آ نحضرت ﷺ، فضیلت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ
- 30 فوز المرام (اردو) ولی اور ولایت کی تعریف میں مدلل بحث 80/-
- 31 الانوار البہیہ فی الاستعانتہ استعانت از رسول کریم ﷺ 200/-
- من خیر البریہ (اردو)

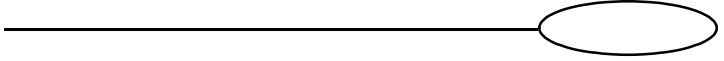
- 32 سفرنامہ حرین شریفین (اردو) مؤلفہ مولوی محی الدین حسین دہلوی سفر حرین زیر طبع شریفین کے حالات
- 33 خیر الموعظ - جلد اول (عربی ترجمہ فارسی) مولوی محمد زماں خاں شہید مسائل طہارت و صلوٰۃ و رکوع صیام، حج، نکاح، وطلاق کا بیان زیر طبع
- 34 خیر الموعظ جلد ثانی مضامین متعلق خانہ داری و آداب اسلام کی بحث زیر طبع
- 35 مذہب منصور (اردو) مؤلفہ مولوی منصور علی خاں - اصطلاحات صوفیہ و جوہر و اسماء و صفات الہیہ کی تفصیل زیر طبع
- 36 ہدایۃ الترتیل - جلد اول (اردو) مؤلفہ سید عبدالحمی بخاری - قرآن مجید زیر طبع
- 37 ہدایۃ الترتیل جلد دوم (اردو) قرآن شریف کے لغات عجیب بہ ترتیب حروف تہجی زیر طبع
- 38 مرجع غیب (اردو) مؤلفہ مولانا سید غوث الدین قادری 80/- علم غیب کی بحث
- 39 اصطلاحات الصوفیہ (عربی) مؤلفہ مولوی کمال الدین 50/- اصطلاحات صوفیہ کی شرح
- 40 شرح الحجب والاستار (عربی) مؤلفہ علامہ روز بھان 80/- فن تصوف کا ایک بے نظیر رسالہ
- 41 عمران القلوب (اردو) مؤلفہ مولوی معوان حسینؒ - بغرض حصول فیض و برکات، زیارت مزارات کے جواز پر بحث 100/-
- 42 انوار العاشقین (اردو) ذکر ولادت آنحضرت ﷺ و حالات صحابہ و اہلبیت زیر طبع
- 43 تحقیق مسیح الجورین (فارسی) یہ رسالہ تحقیق مسیح الجورین میں لا جواب ہے زیر طبع
- 44 فیصلہ شاہ صاحب دہلوی (اردو) وحدۃ الوجود کا ثبوت آیات قرآنی و احادیث سے زیر طبع
- 45 ثبوت ذکر جہر (اردو) ذکر جہر کا ثبوت فتاویٰ و احادیث سے زیر طبع
- 46 تحفۃ السالکین (اردو) سلوک و طریقت، افکار و اشتغال کا بیان زیر طبع

- 47 تفسیر سورہ اعلیٰ (فارسی) سورہ اعلیٰ کی تفسیر زیر طبع
- 48 الدلیل الاظہر (اردو) پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے یا پتھر سے زیر طبع
پاک کرنے کا ثبوت
- 49 سخاوت الشرافت (اردو) زیر طبع
- 50 شعائر اللہ فی فضائل شعر رسول اللہ (اردو) مؤلف مبارک آنحضرت کی فضیلت 20/-
- 51 رفع الحجاب من مسئلۃ الخضاب (اردو) مہندی و تیل کے خضاب کا ثبوت 200/-
- 52 احکام الحجی فی احکام الحجی (اردو) 200/-
- 53 القول الاظہر (اردو) مؤلف مولوی معین الدین زیر طبع
- 54 نقشہ جات فقہ (اردو) مولوی عبید اللہ ششی فاضل زیر طبع
- 55 فتاویٰ نظامیہ مؤلف مولانا محمد رکن الدین سابق مفتی جامعہ نظامیہ 200/-
طہارت، زکوٰۃ، صوم، نکاح، ایمان وقف وغیرہ
- 56 مطع الانوار سوانح حیات حضرت شیخ الاسلام 50/-
- 57 نقشہ انوار الفرائض (اردو) مؤلف مولوی فتح الدین از بر خوشابی زیر طبع
- 58 الحجۃ البازغہ (عربی) مؤلف مولوی برکات احمد - حکماء ٹونکی کا 80/-
استدلال صورت جسمیہ پر
- 59 سلام الاسلام (اردو) مؤلف مولوی کاظم حسین شفیق نقوی کتوری 20/-
- 60 فیصلہ آسمانی (اردو) مؤلف مولوی سید ابوالاحمد رحمانی 20/-
- فرقہ قادیانی کی تردید
- 61 غایۃ البیان فی مسائل صیام رمضان (اردو) مولوی محمد حسین خان 20/-
میسوری روزہ کے مسائل
- 62 شروط الائمة الخمسة (عربی) مؤلف مولوی ابوبکر محمد بن موسیٰ 10/-
- 63 شروط ائمة الستہ (عربی) مؤلف مولوی ابوالفضل محمد بن طاہر 10/-
اصول و شرائط حدیث کا بیان

- 64 خلاصہ ملتقى الابحر (عربی) مؤلفہ مولوی غلام ابراہیم حلبی کی مشہور فقہ حنفی زیر طبع
کی کتاب کا انتخاب
- 65 معجم المصنفین - حصہ اول تا چہارم (عربی) اس حصہ میں جملہ علوم و فنون بیان کئے گئے ہیں زیر طبع
- 66 شمائل الاتقیاء (فارسی) مؤلفہ حضرت شیخ رکن الدین عماد الدین و زیر طبع
سرکاشانی خلد آبادی مسائل تصوف میں
- 67 فتاویٰ لمس حریر و ابریشم (اردو) 30/-
- 68 فتاویٰ نوازل ابو الیث سمرقندیؒ زیر طبع
- 69 سرمایہ نجات تلنگی مترجمہ غلام محمد صاحب شوق زیر طبع
- 70 تفسیر مظہری - اول و دوم مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ زیر طبع
- 71 حمایت الصلوٰۃ اول - دوم مولانا محمد عظیم الدین صاحبؒ 250/-
- 72 زکوٰۃ انگریزی 10/-
- 73 مختار اب الادب زیدان بدران (عربی) 70/-



[*https://ataunnabi.blogspot.com/*](https://ataunnabi.blogspot.com/)



Click For More Books
[**https://archive.org/details/@zohaibhasanattari**](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)